

سلسلہ
اصلاح عقائد

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسِهِ
كَافِرًا وَمِنْكُمْ مُؤْمِنًا (سُورَةُ التَّغَابُنِ)

نواقض ایمان اور ضوابط تکفیر کا بیان

الْمَسَانِدُ دَرُّ كُفْرٍ

www.KitaboSunnat.com

تالیف

حافظ اُمّ بَشِيرِ حُسَيْنِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ



قرآن حدیث اور تفسیر کی ترجمان

مُبَشِّرُ اکیڈمی

لاہور پاکستان

ڈسٹری بیوٹر

نعمانی مکتب خانہ

لاہور پاکستان

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
قُلْ أَطِيعُوا اللّٰهَ
وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی اربنہ

معدت البریری

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب و سنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی
کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے
درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

✉ KitaboSunnat@gmail.com

🌐 www.KitaboSunnat.com

سلسلہ
اصلاح عقائد 10

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْكُمْ
كَافِرًا وَمِنْكُمْ مُؤْمِنًا
(سورة النصار)

نواقض ایمان اور ضوابط تکفیر کا بیان

الانسان اور کفر

تالیف

حافظ امین بن حسین حفظہ اللہ

www.KitaboSunnat.com

قرآن حدیث اور شریعت کی ترجمان
مبشر اکیڈمی
لاہور پاکستان



جملہ حقوق اشاعت بحق ناشر محفوظ ہیں!

نام کتاب	-----	انسان اور کفر
مؤلف	-----	حافظ مبشر حسین
اشاعت	-----	2008ء
قیمت	-----	روپے

ہمارے ڈسٹری بیوٹرز:

- ☆..... مکتبہ قدوسیہ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور، برائے رابطہ: 042-7351124
- ☆..... کتاب سرائے، الحمد مارکیٹ، غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور: 042-7320318
- ☆..... فضلی بک سپر مارکیٹ، اردو بازار، کراچی۔ برائے رابطہ: 021-2212318
- ☆..... نعمانی کتب خانہ، حق سٹریٹ اردو بازار لاہور، برائے رابطہ: 042-7321865

ناشر:

مبشر اکیڈمی لاہور پاکستان

0300-4602878

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

پیش لفظ

زیر نظر کتاب ”انسان اور کفر“ ہمارے کتابی سلسلہ ”اصلاح عقائد“ کی دسویں اور آخری کتاب ہے۔ اس کی تکمیل کے ساتھ ہمارا ’اصلاح عقائد‘ کا تحریری سلسلہ بھی پایہ تکمیل کو پہنچ گیا ہے۔ اللہ کالا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے ان حساس اور اہم موضوعات پر راقم الحروف کو عام فہم اسلوب میں لکھنے کی توفیق بخشی۔

زیر نظر کتاب (انسان اور کفر) کی تالیف سے فراغت تو یقیناً بہت پہلے ہو چکی تھی، مگر اس کی اشاعت و طباعت میں بعض وجوہات کے پیش نظر غیر معمولی تاخیر ہوئی، جس پر ہم اپنے ان قارئین سے جو اس کی اشاعت کے سخت منتظر تھے، معذرت بھی کرتے ہیں۔

اس سلسلہ کی گزشتہ کتابوں کی طرح اس کتاب میں بھی ہم نے کلامی و فلسفیانہ مباحث کی پیچیدگیوں سے اجتناب کرتے ہوئے قرآن و حدیث کی روشنی میں نہایت سادہ اور عام فہم زبان میں اختصار و جامعیت کے ساتھ متعلقہ موضوع پر قلم اٹھایا ہے، تاکہ اردو زبان پڑھنے اور سمجھنے والے ایک عام شخص کو باآسانی یہ معلوم ہو سکے کہ ایمان کیا ہے اور اس کے منافی چیزیں کیا ہیں، اور وہ اپنی سب سے قیمتی متاع (ایمان) کی ہر ممکنہ حد تک حفاظت کر سکے۔

زیر نظر کتاب چار ابواب پر مشتمل ہے یعنی:

۱۔ انسان اور ایمان

۲۔ انسان اور کفر و مکفرات

۳۔ تکفیر اور عمومی ضابطے

۴۔ مواعظ تکفیر

پہلے باب میں ایمان اور اس سے متعلقہ بعض ضروری چیزوں کو اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

دوسرے باب میں کفر کی حدود اور ایمان کو توڑ کر کفر میں لے جانے والی چیزوں کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ تیسرے باب میں اس موضوع پر بات کی گئی ہے کہ کسی مسلمان کو کافر قرار دینے میں عمومی ضابطے اور احتیاط کے پہلو کیا کچھ ہیں۔ چوتھے باب میں اس پہلو کو تفصیل کے ساتھ زیر بحث لایا گیا ہے کہ وہ کون سی چیزیں ہیں جن کی موجودگی میں کفر کے مرتکب کو کافر قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اس کے بعد ان چاروں ابواب کا خلاصہ بھی پیش کر دیا گیا ہے۔

کتاب کے آخر میں ضمیمہ کے طور پر عقیدہ پر لکھی گئی مشہور ترین کتاب 'العقیدۃ الطحاویۃ' اور اس کی شہرہ آفاق شرح جو ابن ابی العزّ نے لکھی ہے، کے ان مباحث کا اردو ترجمہ بھی شامل کتاب کر دیا گیا ہے جو اس موضوع سے براہ راست تعلق رکھتے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والے بہت سے لوگوں کے لیے یہ ضمیمہ مفید ثابت ہوگا، ان شاء اللہ۔

ہمیں اس بات کا پورا احساس ہے کہ یہ موضوع نہایت حساس ہے اور اس میں افراط و تفریط کی وجہ سے اسلامی تاریخ میں ہمیشہ بے شمار فتنوں نے جنم لیا ہے اور افسوس کہ اب بھی یہ سلسلہ منقطع نہیں ہوا۔ ہم اس سلسلہ میں کوئی نیا فتنہ پیدا نہیں کرنا چاہتے بلکہ جہالت و لاعلمی کی وجہ سے پیدا ہونے والی غلط فہمیوں کے ازالہ کے لیے اس نقطہ نظر کی ترمیم کرنا چاہتے ہیں جو امت کے جدید علماء کی اکثریت نے ہمیشہ اختیار کیا ہے۔ ہمارا استدلال قرآن اور سنت صحیحہ کے صریح دلائل کے ساتھ ہے اور ان کے اسی فہم کو ہم نے معتبر سمجھا ہے جو ہمارے اسلاف نے مراد لیا ہے۔

ہمارے ہاں ایک طرف مادہ پرستی اور نفاق کا مرض بہت بڑھ گیا ہے اور رد عمل کے طور پر دوسری طرف تکفیری ذہنیت اور 'کافر گری' کا عنصر بھی زوروں پر ہے۔ ایک طرف مادی مقاصد کے لیے دین و ایمان کا سودا کرنا معمولی بات سمجھی جانے لگی ہے اور دوسری طرف عام فقہی مسائل میں توسع کے باوجود اپنے سے مختلف رائے رکھنے والے پر تکفیر کے فتوے لگانے سے بھی دریغ نہیں کیا جاتا۔ زیر نظر کتابے میں ہم نے بنیادی طور پر تکفیری ذہنیت ہی کا علمی بنیادوں پر تجزیہ کیا ہے اور تکفیر کے حدود و ضوابط پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، لیکن یہاں اس تکفیری روش کے بارے میں یہ سوال کہ 'ایسا کیوں ہے؟' کا ایک مختصر سا جواب دینا شاید بہتر ہوگا۔

مجھے ایک عرصہ دراز تک ایسے بہت سے لوگوں سے تبادلہ خیال کا موقع ملا ہے جو زیر نظر موضوع سے دلچسپی

رکھتے ہیں۔ علاوہ ازیں اس سلسلہ میں عرب و عجم میں لکھا گیا لٹریچر بھی نظروں سے گذرا۔ بعض خارجی اور تکفیری ذہن کے لوگوں کو بھی قریب سے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ میرے خیال میں اس کی سب سے بڑی وجہ کم علمی اور جہالت ہے۔ ایک طرف عامۃ الناس کو معلوم ہی نہیں کہ ایمان اور کفر کی حدود کیا ہیں؟ اور دوسری طرف تکفیر کا 'فریضہ' انجام دینے والوں کو یہ معلوم نہیں کہ تکفیر کے ضوابط کیا ہیں اور کون سی چیزیں تکفیر میں مانع اور عذر کی حیثیت رکھتی ہیں؟ اور بڑے افسوس کی بات ہے کہ اس فہرست میں ایسے لوگوں کا نام بھی دیکھا جا سکتا ہے جنہیں غوام کے ہاں 'علماء' کی حیثیت سے پہچانا جاتا ہے، لیکن عوام کو کیا معلوم کہ ان کا مبلغ علم کیا ہے؟!

کم علمی اور جہالت ہی کی وجہ سے ہمارے ہاں مذہبی حد بندیاں اور مسلکی تعصبات قائم ہوئے ہیں اور ان مذہبی حد بندیوں اور مسلکی تعصبات نے بھی تکفیری ذہنیت کو بہت ہوا دی ہے، اس لیے کہ ان مسلکی حد بندیوں میں ہر فریق یہ سمجھتا ہے کہ وہی جنتی فریق ہے، باقی سب گمراہ اور جہنم کا ایندھن ہیں۔ چنانچہ جو چیز ایک مسلک میں جائز نہیں، اسے جائز سمجھنے والے ہر دوسرے بندے کو بعض اوقات اس نظر سے دیکھا جاتا ہے کہ شاید اس نے کسی کفر اکبر کا ارتکاب کر لیا ہے، خواہ وہ چیز فقہی دائرے میں توسع کی حیثیت ہی کیوں نہ رکھتی ہو۔ اسی طرح اپنے ہم مسلکوں کو خوش کرنے اور اپنے ساتھ مذہبی تعلق کو گہرا کرنے کے لیے ہر فریق نے کچھ امتیازات قائم کر رکھے ہیں۔ اب اگر کوئی مسلمان ان امتیازات کے ساتھ نہیں پہچانا جاتا، تو اسے دائرہ اسلام کے اندر دیکھنے کی بجائے باہر دیکھا جاتا ہے، اسے حزب اللہ کی بجائے حزب الشیطان کا فرد سمجھا جاتا ہے، قطع نظر اس سے کہ وہ اس سلسلہ میں اجتہادی اختلاف رکھتا ہے اور اس کے دل میں اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ سچی محبت بھی ہے!

اسی طرح یہ بھی کم علمی اور جہالت ہی کا نتیجہ ہے کہ تاویل اور فہم کے اختلاف کو نہ سمجھا جاتا ہے اور نہ اسے برداشت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، بلکہ الٹا ایسا جذباتی رویہ اختیار کیا جاتا ہے جو فریق مخالف کے ساتھ افہام و تفہیم کی بجائے ہمیشہ مناظرانہ و مجادلانہ فضا پیدا کیے رکھتا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ بعض لوگوں کو دوسروں کی تکفیر و ضلالت کا شیطانی چسکہ بھی پڑ جاتا ہے۔ وہ بجائے اس کے کہ جاہل اور بے عمل مسلمانوں تک حکمت کے ساتھ حق کی بات مسلسل پہنچانے کی ذمہ داری ادا کریں، الٹا ان راستوں کی تلاش میں رہتے ہیں جن سے کسی مسلمان کی تکفیر کا جواز مل سکے۔ حالانکہ کسی مسلمان کو کافر

قرار دینا کوئی چھوٹی بات نہیں ہے۔ اس کا اندازہ درج ذیل احادیث سے کیا جاسکتا ہے:

((عن ثابت بن الضحاک قال ان رسول الله ﷺ قال: وَمَنْ رَمَى مُؤْمِنًا بِكُفْرٍ فَهُوَ كَقَتْلِهِ))

”حضرت ثابت بن ضحاک بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کسی مسلمان کو کافر کہنا اسے قتل کرنے کے برابر ہے۔“^(۱)

((عن ابی ذر قال قال رسول الله ﷺ: لَا يَزِيحُ رَجُلٌ رَجُلًا بِالْفُسُوقِ وَلَا يَزِيحُهُ بِالْكُفْرِ إِلَّا ارْتَدَّتْ عَلَيْهِ إِنْ لَمْ يَكُنْ صَاحِبُهُ كَذَلِكَ))^(۲)

”حضرت ابو ذر بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو آدمی کسی پر فسق اور کفر کا الزام لگاتا ہے جبکہ وہ اس فسق و کفر سے بری ہے، تو وہ الزام اسی پر لوٹ آتا ہے۔“

((عن ابی ہریرۃ ان رسول الله ﷺ قال: إِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِأَخِيهِ يَا كَافِرًا فَقَدْ بَاةَ بِهِ أَحَدَهُمَا))^(۳)

”حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب کوئی آدمی اپنے مسلمان بھائی کو کہے: اے کافر! تو کفر کی یہ بات ان دونوں میں سے کسی ایک پر لوٹ آتی ہے۔“

((عن عبد الله بن عمر ان رسول الله ﷺ قال: أَيُّمَا امْرِيءٍ قَالَ لِأَخِيهِ يَا كَافِرًا فَقَدْ بَاةَ بِهَا أَحَدَهُمَا، إِنْ كَانَ كَمَا قَالَ وَالْأُخْرَى عَلَيْهِ))

”حضرت عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے اپنے مسلمان بھائی کو کافر کہا تو یہ کفر ان دونوں میں سے کسی ایک پر لوٹ آئے گا۔ یا تو وہ کافر ہی ہوگا جیسا کہ کہنے والے نے کہا ہے یا پھر کلمہ کفر اس پر لوٹ آئے گا (جس نے دوسرے کو کافر کہا تھا)۔“^(۴)

۱۔ بخاری، کتاب الادب، باب من کفر احاه بغیر تاویل فهو کما قال، ح۔ ۶۱۰۵۔

۲۔ بخاری، کتاب الادب، باب ما ینھی من السباب واللعن، ح۔ ۶۰۴۵۔

۳۔ بخاری، کتاب الادب، باب من کفر احاه بغیر تاویل فهو کما قال، ح۔ ۶۱۰۴۔ مسلم، کتاب الایمان، باب بیان حال من قال لاخیه المسلم یا کافر۔

۴۔ مسلم، کتاب الایمان، باب بیان حال من قال لاخیه المسلم یا کافر۔

اس حدیث کا ایک مفہوم تو بالکل ظاہر ہے کہ جب ایک شخص دوسرے کو کافر کہے تو دونوں میں سے کوئی ایک کافر ضرور ہے، یا تو وہ جسے کافر کہا جا رہا ہے یا پھر وہ جو کفر کا حکم لگا رہا ہے۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ اگر ایک شخص کافر نہیں تو اسے کافر کہنے والا اس بات سے خود کافر نہیں ہو جاتا بلکہ اس پر جو چیز لوٹ کر آتی ہے، وہ اس تہمت کا گناہ ہے جو اس نے دوسرے پر لگائی ہے۔ اور یہی مفہوم جمہور اہل علم نے بیان کیا ہے اور اتنی بات تو بہر حال دونوں صورتوں میں واضح ہے کہ کسی کو کافر کہنا چھوٹی بات نہیں ہے۔

اس سلسلہ میں ایک اور حدیث ملاحظہ کریں:

”حضرت ابو ہریرہؓ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا، آپ نے ارشاد فرمایا کہ بنی اسرائیل میں دو آدمی تھے جو بھائی بنے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک گنہگار تھا اور دوسرا خوب عبادت گزار تھا۔ یہ عبادت گزار دوسرے کو ہمیشہ گناہ ہی کی حالت میں دیکھتا اور اسے گناہ سے باز آنے کا کہتا۔ ایک مرتبہ جب اس نے اسے گناہ کی حالت میں دیکھا تو اس سے کہنے لگا کہ باز آ جا۔ اس نے آگے سے جواب دیا کہ آپ میرا اور میرے رب کا معاملہ چھوڑ دیجیے، کیا آپ مجھ پر داروغے مقرر ہوئے ہیں؟ تو عبادت گزار نے کہا: اللہ کی قسم! اللہ تمہیں نہیں بخشے گا۔ یا اس نے کہا کہ اللہ تمہیں جنت میں داخل نہیں کرے گا۔ پھر اللہ نے ان دونوں کی روحيں قبض کر لیں اور وہ دونوں اللہ کی بارگاہ میں پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے عبادت گزار سے کہا کیا تم مجھے جانتے ہو؟ کیا تمہیں معلوم ہے میرے ہاتھوں میں کتنی قدرت ہے؟ اور پھر گنہگار سے اللہ نے کہا کہ جاؤ میری رحمت سے میری جنت میں داخل ہو جاؤ۔ اور اس عبادت گزار سے کہا کہ جاؤ آگ میں چلے جاؤ۔“ [ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی النہی عن البہی]

مذکورہ بالا تمام احادیث میں اسی بات کی تلقین کی گئی ہے کہ تکفیر کے مسئلہ میں سخت احتیاط کی جائے لیکن اس سلسلہ میں ہمارے ہاں اس کے برعکس ایک انتہائی غلط رویہ یہ پایا جاتا ہے کہ ہر شخص اپنے علم کی بنیاد پر تکفیر کی ذمہ داری سنبھال لیتا ہے اور جسے وہ اپنے محدود اور انفرادی علم کی بنیاد پر کافر سمجھتا ہے، دائرہ اسلام سے خارج کرنا شروع کر دیتا ہے۔ حالانکہ دائرہ اسلام سے خارج کرنا اور لوگوں پر کفر کے حکم اور فتوے لگانا کوئی ایسی معمولی اور آسان بات نہیں ہے۔ ایک تو اس لیے کہ تکفیر کے مسئلہ میں نبی کریم ﷺ نے بہت زیادہ احتیاط کی تلقین کی ہے۔

اس لیے بھی کہ تکفیر کے سلسلہ میں کئی ایک موانع پائے جاتے ہیں جن کی موجودگی میں عمل کفر کے

مرتب کتب کو کفر کے باوجود کافر قرار نہیں دیا جاتا۔ لیکن ان موانع کا تعین کرنا، ان میں علمی اختلافات کی حدود کو نیک نیتی اور صحیح فہم کے ساتھ جاننا ہر شخص کے بس کی بات نہیں، بلکہ بہت سے پہلو ایسے پیچیدہ اور نازک بھی ہیں کہ بڑے بڑے اہل علم بھی ہمیشہ وہاں احتیاط کرتے رہے ہیں اور ان کے بارے میں رائے زنی سے انہوں نے توقف کرنے ہی میں عافیت سمجھی ہے۔

میری رائے اس مسئلہ میں یہ ہے کہ اگر کسی شخص کی تکفیر کا مسئلہ پیدا ہو جائے تو اس کی تکفیر کے لیے اہل علم کو اجتماعی و مشاورتی انداز میں مسئلہ کی تمام صورتوں کا گہرائی سے جائزہ لے کر تکفیر یا عدم تکفیر کے بارے میں رائے قائم کرنی چاہیے۔ ورنہ جلد بازی اور انفرادی آراء کے اظہار سے معاشرے میں انتشار اور بد امنی کی کیفیت پیدا ہوگی اور افسوس کہ ہمارے معاشرے میں یہی کچھ ہو رہا ہے!

معروف مالکی فقیہ علامہ ابن عبدالبر نے اس سلسلہ میں اہم بات کہی ہے، فرماتے ہیں:

”جس شخص کا اسلام ایک مرتبہ امت کے اجماع کے ساتھ ثابت ہو جائے اور پھر وہ کوئی ایسا گناہ کرے یا ایسی تاویل کرے کہ اس کے بارے میں امت کا اختلاف ہو جائے کہ یہ دائرہ اسلام سے خارج ہو گیا ہے یا نہیں، تو یہ اختلاف اس اجماع کے مقابلہ میں کوئی اہمیت اور حجت نہیں رکھتا جو اس کے اسلام کے بارے میں اس سے پہلے ہو چکا ہے۔ یہ شخص اسلام سے اس وقت تک خارج قرار نہیں دیا جاسکتا جب تک کہ اس کے اسلام سے خروج پر ایسا ہی اتفاق امت نہ ہو جائے جیسا کہ اس کے اسلام لانے پر ہوا تھا، یا اس کے کفر پر ایسی سنت ثابت ہو جو جس کے ساتھ کسی اور دلیل کا ٹکراؤ نہ ہو۔“

اہل سنت والجماعت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کوئی شخص گناہ کی وجہ سے اسلام سے خارج نہیں ہوتا، خواہ وہ گناہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو، البتہ اہل بدعت نے اس اصول میں اختلاف کیا ہے۔

پس یہ بات واجب ہے کہ کسی شخص کی اس وقت تک تکفیر نہ کی جائے جب تک کہ اس کے کفر پر امت متفق نہ ہو جائے یا اس کفر پر ایسی دلیل قائم ہو جائے کہ قرآن و سنت سے اس دلیل کے خلاف کوئی چیز اسے کفر کے حکم سے بچانے والی نہ ہو۔“ [التمہید، ۲۱/۷]

ہمارے ہاں ایک طرف تکفیری ذہنیت بڑھتی جا رہی ہے اور دوسری طرف یہ غلط فہمی بھی کلمہ پڑھ لینے کے بعد جو مرضی کرتے رہیں، اسلام پر کوئی حرف نہیں آتا۔ حالانکہ یہ دو انتہائیں ہیں اور اپنی اپنی جگہ پر دونوں غلط ہیں۔ حق ان دونوں کے درمیان ہے۔ ہم نے زیر نظر کتاب میں اسی حق کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ امید ہے کہ اس سلسلہ میں ہماری یہ معمولی سی کوشش مثبت اور مفید ثابت ہو سکے گی، ان شاء اللہ۔

فہرست مضامین

3	* پیش لفظ
15	باب [1] انسان اور ایمان
16	* 'ایمان' ایک مسلمان کی سب سے بڑی دولت ہے
17	* ایمان کیا ہے؟
17	* اہل سنت کی رائے
25	* مرجعہ اور فقہائے حنفیہ
28	* ایمان اور اسلام میں فرق
30	* ارکان ایمان کا بیان
32	* ایمان کے ساتھ ان شاء اللہ کہنا (یعنی استثناء کرنا)
32	* ایمان میں کمی بیشی کا مسئلہ
33	* قرآنی دلائل
34	* احادیث
35	* صحابہ کرامؓ کے اقوال
36	* اہل ایمان کے ایمان کے لحاظ سے مختلف درجات
37	* ایمان کا وہ درجہ (حد) جس کے بعد کفر ہے
38	* کبیرہ گناہ کے مرتکب کا ایمان
42	باب [2] انسان اور کفر و مکفرات (نواقض ایمان کا بیان)
43	فصل ۱ 'کفر' معنی و مفہوم اور اس کی بنیادی اقسام
43	* کفر کے کتنے ہیں؟

45	* کفر کی اقسام: کفر اکبر اور کفر اصغر
45	* نوعیت اور کیفیت کے لحاظ سے کفر اکبر کی اقسام
47	فصل ۲..... انسان کو کافر بنانے والی چیزیں (یعنی مکفرات)
48	* (۱) ... اعتقادی مکفرات / اعتقادی نواقض
48	* 1- اللہ کے بارے میں کفر اعتقادی
48	* ۱- وجود باری تعالیٰ کا انکار
49	* ۲- اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے کسی ثابت شدہ صفت کا انکار
49	* ۳- اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک
49	* اللہ کی ذات میں شرک
51	* اللہ تعالیٰ کی صفات اور افعال میں شرک
53	* اللہ کی عبادت میں شرک
55	* شرک کی مذمت کے دلائل
56	* شرک اصغر؛ ریا کاری
58	* 2- نبیوں اور رسولوں کے بارے میں کفر اعتقادی
61	* 3- اللہ کی منزل کردہ کتابوں کے بارے میں کفر اعتقادی
66	* 4- اسلام کے بیان کردہ غیبی حقائق کے بارے میں کفر اعتقادی
67	* 5- احکام شریعت کے حوالے سے کفر اعتقادی
67	* ۱- حلال کو حرام اور حرام کو حلال سمجھنا
68	* ۲- دین و شریعت پر عمل اور نبی کریمؐ کی اطاعت کی ضرورت نہ سمجھنا
70	* 6- نفاق..... کفر اعتقادی کی بدترین صورت
71	* عملی نفاق: یعنی نفاق اصغر
74	* اعتقادی نفاق: یعنی نفاق اکبر

77	* نفاق کے بعض مظاہر
78	* 7- اسلامی عقائد میں شک و شبہ
79	* 8- کافر کے کفر میں شک
80	* کفر اعتقادی اگر ثابت اور ظاہر ہو جائے تو
82	* (۲)۔ قولی مکفرات / قولی نواقض
82	* ۱- کفر تکذیب، کفر جحود اور کفر استکبار
83	* ۲- اللہ یا رسول یا قرآن یا دین کو گالی دینا
85	* ۳- اللہ یا رسول یا قرآن یا دین سے طنز و تشنیع اور استہزاء کرنا
86	* (۳)۔ عملی مکفرات / عملی نواقض
86	* دین و شریعت سے اعراض (بے رخی) کا مسئلہ
88	* کلی اعراض اور جزوی اعراض
88	* کلی طور پر دین سے اعراض کر لینا اور عمل چھوڑ دینا کفر ہے
90	* جزوی اعراض کا حکم
91	* تارک نماز کا حکم
92	* الْحُكْمُ بِغَيْرِ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ
94	باب [3] تکفیر اور عمومی ضابطے
95	* ۱- کلمہ گو کو کافر کہنے میں سخت احتیاط کی ضرورت
96	* ۲- ظاہری حالت کا اعتبار اور حسن ظن
101	* ۳- تکفیر کے موانع اور عذر کا لحاظ
102	* ۴- عمل کفر اور کافر میں فرق
103	* ۵- تکفیر سے پہلے اتمام حجت
103	* ۶- تکفیر معین اور تکفیر مطلق کا فرق

104	* ۷۔ تکفیر ہر فرد کا کام نہیں
105	* ۸۔ تکفیر، توبہ اور قتل و قتال
106	باب [4] موانع تکفیر (مسلمان کو کافر قرار دینے سے روکنے والی چیزیں)
107	فصل ۱..... جہالت اور لاعلمی
107	* شریعت میں جہالت کے عذر کا اعتبار
107	* پہلی دلیل
108	* دوسری دلیل
110	* تیسری دلیل
111	* چوتھی دلیل
113	* پانچویں دلیل
113	* ائمہ کرام کی آراء
115	فصل ۲..... خطا اور غلطی
116	* شریعت میں خطا کے عذر کا اعتبار
116	* پہلی دلیل
117	* دوسری دلیل
118	* تیسری دلیل
118	* چوتھی دلیل
119	* پانچویں دلیل
121	فصل ۳..... اکراہ
121	* اکراہ کی صورت میں کلمہ کفر کی گنجائش
121	* پہلی دلیل

123	* دوسری دلیل
123	* افضل کیا ہے؟
125	* اکراہ کا تعلق قول اور فعل کے ساتھ ہے نہ کہ دل کے ساتھ
127	فصل ۴..... تاویل
127	* تاویل کسے کہتے ہیں
127	* تاویل کا عذر تسلیم کیا جائے گا، خواہ تاویل کا تعلق عقائد سے ہو یا فروعات سے
128	* تاویل کے عذر اور مانع تکفیر ہونے کے بارے میں اہل علم کی آراء
129	* تاویل کرنے والے فرقوں کے بارے میں حکم
130	* تاویل کرنے والے فرقوں کے بارے میں امام احمد بن حنبل کا نقطہ نظر
132	* اس سلسلہ میں علامہ ابن تیمیہ کا نقطہ نظر
135	خلاصہ کتاب
135	* ایمان اور اس کے متعلقات
136	* کفر اور مکفرات
137	* کفر اعتقادی (اعتقادی نواقض / اعتقادی مکفرات) کی بنیادی صورتیں
140	* قولی مکفرات، قولی نواقض کی بنیادی صورتیں
141	* عملی مکفرات، عملی نواقض کی بنیادی صورتیں
142	* ضوابط تکفیر
146	* ضمیمہ کتاب: العقیدۃ الطحاویة [مع الشرح: لابن ابی العز] (متعلقہ مباحث کا اردو ترجمہ)
148	* تمام اہل قبلہ مسلمان ہیں
148	* فلسفیانہ بحثوں سے اجتناب
149	* اہل قبلہ (مسلمانوں) کی تکفیر کا مسئلہ

152	* تکفیر مطلق اور تکفیر معین کا مسئلہ
153	* تکفیر کے موانع اور شرائط و ضوابط
155	* کفر اکبر اور کفر اصغر: ایک اشکال
156	* گزشتہ اشکال کا جواب
158	* اَلْحُكْمُ بِغَيْرِ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ بَعْضُ حَالَتُوں میں کفر اکبر ہے اور بعض میں کفر اصغر
160	* ایمان کیا ہے؟
163	* ایمان میں کمی بیشی کا مسئلہ
164	* ایمان اور اسلام میں فرق
164	* ایمان کے ساتھ ان شاء اللہ کہنا
166	* اتحاد امت اور بدعتیوں اور فاسقوں کے ساتھ عبادات و معاملات میں تعامل کی حدود
168	* فاسق و بدعتی کی نماز جنازہ کا مسئلہ
170	* کسی کو یقینی طور پر جنتی یا جہنمی کہنا
170	* مسلمان کا قتل حرام ہے سوائے تین صورتوں کے
171	* حکمرانوں کے خلاف خروج کا مسئلہ

انسان اور ایمان

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہت سی نعمتوں سے نوازا ہے اور ان نعمتوں کو اگر انسان گننا چاہے تو یہ اس کے لیے ناممکن ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَنْ تَعْلَمُوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تَحْصُوهَا إِنَّ الْإِنْسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ﴾ [سورة ابراهيم: ۳۴]

”اگر تم اللہ کے احسان (نعمتیں) گننا چاہو تو تم انہیں پورے گن بھی نہیں سکتے۔ یقیناً انسان بڑا ہی بے انصاف اور ناشکرا ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنی ان نعمتوں کی یاد دہانی مختلف انداز میں کرائی ہے تاکہ لوگ اللہ کے شکر گزار اور عبادت گزار بن سکیں اور انہی نعمتوں میں سے دو نعمتیں ایسی ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے احسان جتاتے ہوئے یاد دہانی کرائی ہے۔ ان میں سے ایک ایمان کی نعمت ہے اور دوسری نبی کریم ﷺ کی رسالت و نبوت کی نعمت ہے۔ ایمان کی نعمت کو اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر اپنا احسان قرار دیا جب کچھ نئے نئے اسلام قبول کرنے والوں نے نبی کریم ﷺ کے پاس آ کر آپ ﷺ پر احسان جتاتے ہوئے کہا کہ ہم نے آپ کا دین قبول کر لیا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم احسان نہ جتاؤ، بلکہ یہ اللہ کا تم پر احسان ہے کہ اللہ نے تمہیں ایمان کی طرف ہدایت دی ہے۔ قرآن مجید کی وہ آیات ذیل میں ملاحظہ فرمائیں جن میں یہ واقعہ مذکور ہے:

﴿قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوا وَلَكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ وَإِنْ تُطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَا يَلِتْكُمْ مِنْ أَعْمَالِكُمْ شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَلُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ قُلْ اتَّعَلَّمُونَ اللَّهَ بِدِينِكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ يُعْتَمِدُونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا قُلْ لَا تَمُنُّوا عَلَيَّ إِسْلَامَكُمْ بَلِ اللَّهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ لِلْإِيمَانِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا

تَعْمَلُونَ ﴿ [سورة الحجرات: ۱۴ تا ۱۸]

”وہ دیہاتی لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے۔ آپ کہہ دیجیے کہ (حقیقت میں) تم ایمان نہیں لائے بلکہ تم یوں کہو کہ ہم اسلام لائے ہیں، حالانکہ ابھی تک تمہارے دلوں میں ایمان داخل ہی نہیں ہوا۔ تم اگر اللہ کی اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرنے لگو تو اللہ تمہارے اعمال میں سے کچھ بھی کم نہیں کرے گا۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ مومن تو وہ ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر (پکا) ایمان لائیں پھر شک و شبہ نہ کریں اور اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہیں، (اپنے دعویٰ ایمان میں) یہی سچے اور راست گو ہیں۔ کہہ دیجیے! کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کو اپنی دینداری سے آگاہ کر رہے ہو، اللہ تو ہر اس چیز سے جو آسمانوں میں اور زمین میں ہے، بخوبی آگاہ ہے اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ اپنے مسلمان ہونے کا آپ پر احسان جتاتے ہیں۔ آپ کہہ دیجیے کہ اپنے مسلمان ہونے کا احسان مجھ پر نہ رکھو، بلکہ دراصل اللہ تعالیٰ کا تم پر احسان ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی ہدایت کی، اگر تم سچے ہو۔ یقین مانو کہ آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتیں اللہ خوب جانتا ہے اور جو کچھ تم کر رہے ہو، اسے اللہ تعالیٰ خوب دیکھ رہا ہے۔“

جہاں تک نبی کریم ﷺ کی رسالت و نبوت کی نعمت کا تعلق ہے، تو اس احسان کے بارے میں سورہ آل عمران میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾ [سورة آل عمران:

[۱۶۴]

”بے شک اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر بہت بڑا احسان کیا ہے کہ ان ہی میں سے ایک رسول ان میں بھیجا، جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ یقیناً یہ سب اس سے پہلے کبھی گمراہی میں تھے۔“

ایمان ایک مسلمان کی سب سے بڑی دولت ہے

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ایمان ہی ایک مسلمان کی سب سے بڑی دولت ہے۔ اگر انسان کو سارے

جہاں کی نعمتیں اور دولتیں حاصل ہو جائیں مگر وہ ایمان کی نعمت و دولت سے محروم رہے تو وہ پھر بھی بد نصیب ہے اور اگر کسی کو ایمان کی نعمت مل جائے اور ایمان کی محبت اور لذت اس کے دل و دماغ اور جسم و جان میں سرایت کر جائے تو پھر اس کے لیے دنیا کی باقی ساری دولتیں اور آسائشیں اس ایمانی دولت کے سامنے بیچ ہیں اور اگر دنیا میں اسے ایمان کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی بھی دینا پڑے تو وہ ایمان کو بچانے کے لیے اس سے نہ گریز کرے گا اور نہ کبھی متزلزل ہوگا۔ اس لیے کہ وہ جانتا ہے کہ ایمان کے ساتھ ہی وہ اُخروی اعتبار سے کامیاب ہو سکتا اور ہمیشہ کے لیے جنت کا مستحق بن سکتا ہے۔

ایمان کیا ہے؟

کفر کی حقیقت اس وقت تک پوری طرح واضح نہیں ہو سکتی جب تک کہ ایمان کے بارے میں درست معلومات نہ ہوں، اس لیے یہاں ہم پہلے ایمان کے بارے میں وضاحت کریں گے کہ قرآن و سنت میں جس ایمان کے بارے میں یہ بتایا گیا ہے کہ اس کے بغیر آدمی جنت میں نہیں جاسکتا، وہ ایمان کیا ہے؟ اور مسلمانوں کے ہاں اس ایمان کی تعریف اور حدود و قیود کے حوالے سے کیا آراء پائی جاتی ہیں۔

لغت عرب میں لفظ ایمان دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے؛ ایک ہے: 'اعطاء الأمان (التامین)' یعنی کسی کو امان دینا۔ اور دوسرا معنی ہے: 'دل سے کسی چیز کی تصدیق کرنا'۔

شرعی و دینی اصطلاح میں ایمان سے کیا مراد ہے، اس سلسلہ میں تاریخ اسلام میں نمایاں ہونے والے مختلف مذہبی و کلامی فرقوں میں اختلاف رائے رہا ہے اور یہی اختلاف ایمان کے نو انقض (مکفرات) میں بھی پایا جاتا ہے۔

اہل سنت کی رائے

اہل سنت کے علماء، فقہاء اور محدثین کی عام رائے یہ ہے کہ ایمان تین چیزوں کے مجموعے کا نام ہے:

۱۔ قول (زبان سے اقرار)،

۲۔ دل کی معرفت اور تصدیق،

۳۔ اعضاء و جوارح سے دینی احکام پر عمل۔

گویا ایمان یہ ہے کہ انسان اسلامی عقائد کی حقانیت کے بارے میں زبان سے اقرار بھی کرے، دل سے

ان کی حقانیت کی تصدیق بھی کرے اور پھر ان عقائد کے مطابق دینی احکام پر عمل بھی کرے۔ ایمان کی تعریف میں زبانی اقرار اور قلبی تصدیق کافی ہے یا عمل بھی اس میں شامل ہے؟، اس سلسلہ میں فقہاء حنفیہ کا دیگر اہل سنت کے ساتھ کچھ اختلاف پایا جاتا ہے جسے ہم آگے ذکر کریں گے۔ یہاں ہم اہل سنت کے چند نمایاں بزرگوں کے ایمان کی تعریف کے حوالے سے کچھ بیانات ذکر کر رہے ہیں:

۱۔ امام مالکؒ جو امام دارالہجرۃ کے لقب سے مشہور ہیں اور مالکی مسلک کے امام تسلیم کیے جاتے ہیں، کے حوالے سے ابن عبدالبر نے لکھا ہے کہ آپ کے نزدیک ایمان قول اور عمل کا نام ہے۔^(۱)

یاد رہے کہ علماء اہل سنت جب ایمان کی بحث میں قول اور عمل کا ذکر کرتے ہیں تو اس وقت ان کے نزدیک قول سے مراد دل اور زبان کا قول اور عمل سے مراد دل اور اعضاء کا عمل ہوتا ہے۔ گویا قول اور عمل کہہ کر اس سے زبانی اقرار، قلبی تصدیق اور عمل تینوں چیزیں مراد لی جاتی ہیں۔^(۲)

۲۔ امام شافعیؒ جو معروف فقیہ اور شافعی مسلک کے امام تسلیم کیے جاتے ہیں، فرماتے ہیں:

”صحابہؓ اور ان کے بعد تابعینؒ اور ان کے بعد کے وہ لوگ جن کا زمانہ ہم نے پایا ہے، کا اس بات پر اجماع ہے کہ ایمان قول، عمل اور نیت کے مجموعے کا نام ہے۔ ان تینوں میں سے کوئی ایک باقی کے بغیر کفایت نہیں کرتا“۔^(۳)

۳۔ امام شافعیؒ اور بعض اور کبار محدثین کے استاد اور اپنے وقت کے معروف محدث سفیان بن عیینہؒ بیان فرماتے ہیں:

”مرجہ کہتے ہیں کہ ایمان قول (اقرار) کا نام ہے جب کہ ہم کہتے ہیں کہ ایمان قول اور عمل کا نام ہے۔ مرجہ کہتے ہیں کہ اگر ایک بندہ دل سے لا الہ الا اللہ کی گواہی دیتا ہے اور اس کے ساتھ فرائض و واجبات پر عمل نہیں کرتا تو اس کے باوجود وہ جنتی ہے اور اس کا فرائض کو چھوڑنا ایسے ہی ہے جیسے کسی حرام کا ارتکاب کرنا۔ حالانکہ فرائض کو چھوڑنا اور حرام کا ارتکاب کرنا دونوں چیزیں برابر نہیں ہیں بلکہ حرام کو

۱۔ الانتقاء فی فضائل الثلاثة الاثمة الفقہاء، لابن عبد البر، ص ۲۳۔

۲۔ دیکھیے: شرح العقیدة الطحاویة، لابن ابی العز، ص ۲۳۳۔

۳۔ شرح اصول اعتقاد اہل السنة، للالکافی، ج ۵، ص ۸۸۶۔ کتاب الایمان، لابن تیبہ، ص ۱۹۷۔

کرنا فسق و معصیت (گناہ) ہے۔ لیکہ آدمی حرام کو حلال قرار نہ دے جب کہ بغیر کسی جہالت اور عذر کے جان بوجھ کر فرائض چھوڑنا کفر ہے (فسق نہیں)۔^(۱)

۳۔ امام شافعی کے مشہور شاگرد ابو ثور ایمان اور عمل کے باہمی تعلق کے حوالے سے بیان فرماتے ہیں:

وہ لوگ جو یہ سمجھتے ہیں کہ عمل ایمان میں شامل نہیں ہے ان سے پوچھا جائے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ جہاں یہ حکم فرماتے ہیں کہ ”نماز قائم کرو اور زکاۃ ادا کرو“۔ کیا اس حکم کا مطلب یہ ہے کہ صرف نماز اور زکاۃ کا اقرار کر لو، یا یہ ہے کہ ان کا اقرار بھی کرو اور ان پر عمل بھی کرو۔ اگر وہ کہے کہ ان میں صرف اقرار کا ارادہ کیا گیا ہے، عمل کا تقاضا نہیں کیا گیا تو اس نے کفر کیا..... اور اگر وہ یہ کہے کہ ان میں اقرار اور عمل دونوں چیزوں کا مطالبہ کیا گیا ہے تو پھر اس سے پوچھا جائے کہ جب دونوں چیزوں کا مطالبہ کیا گیا ہے تو پھر تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ ان میں سے صرف اقرار کے ساتھ ہی آدمی مومن ہوتا ہے عمل کی کوئی ضرورت نہیں!؟

بتائیے اگر ایک آدمی کہے کہ میں ہر اس چیز پر عمل کرتا ہوں جس کا اللہ نے حکم دیا ہے لیکن میں ان چیزوں کا زبان سے اقرار نہیں کرتا تو کیا وہ مومن کہلائے گا؟ اگر یہ لوگ اس سوال کا جواب نفی میں دیں تو پھر ان سے کہا جائے کہ بتائیے اگر وہ کہے کہ میں ہر اس چیز کا اقرار کرتا ہوں جس کا اللہ نے حکم دیا ہے لیکن میں ان میں سے کسی چیز پر بھی عمل نہیں کرتا تو کیا پھر بھی وہ مومن کہلائے گا؟ اگر یہ لوگ کہیں کہ ہاں پھر بھی وہ مومن ہی رہے گا تو ان سے پوچھا جائے کہ یہ فرق کس بنیاد پر ہے؟ جب تم نے یہ تسلیم کر لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندے سے دونوں چیزوں (یعنی اقرار اور عمل) کا مطالبہ کیا ہے تو پھر اگر یہ جائز ہے کہ ایک شخص عمل کے بغیر محض اقرار کے ساتھ ہی مومن رہ سکتا ہے تو پھر یہ بھی ممکن ماننا چاہیے کہ وہ اقرار کے بغیر صرف عمل کے ساتھ بھی مومن رہے گا اور ان دونوں صورتوں میں کوئی فرق نہیں ہے!!“۔^(۲)

۵۔ امام احمد بن حنبلؒ جو حنبلی مسلک کے امام تسلیم کیے جاتے ہیں، نیز آپ کو امام اہل السنۃ بھی کہا جاتا ہے، کے نزدیک بھی عمل ایمان میں شامل ہے۔^(۳)

۱۔ السنۃ، لعبد اللہ بن احمدؒ، ج ۱، ص ۲۴۷، ۲۴۸۔

۲۔ شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ، ج ۵، ص ۸۵۰، ۸۵۱۔

۳۔ دیکھیے: طبقات الحنابلۃ، لابن رجب حنبلی، ج ۱، ص ۱۳۰۔

۶۔ امام بغویؒ (م ۵۱۸ھ) جو سلسلہ محدثین کی غالباً آخری کڑی (یعنی آخری محدث) ہیں اور آپ کے بعد سند کے ساتھ روایت حدیث اور تالیف حدیث کا اسلوب اختتام کو پہنچ گیا، بیان فرماتے ہیں:

”صحابہ اور تابعین اور ان کے بعد کے علماء سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اعمال ایمان میں داخل ہیں۔..... اور ان کی رائے یہ ہے کہ ایمان قول، عمل اور عقیدے (تینوں کے مجموعہ) کا نام ہے۔“^(۱)

۶۔ امام بخاریؒ جو محدثین کے ہاں بالاتفاق امیر المؤمنین فی الحدیث کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں، بیان فرماتے ہیں:

”میں مختلف شہروں میں ایک ہزار سے زائد علماء کو ملا ہوں اور میں نے ان میں کسی کو اس بات سے اختلاف کرتے ہوئے نہیں پایا کہ ایمان قول اور عمل کا نام ہے۔“^(۲)

۷۔ علامہ ابن عبد البرؒ جو فقہ مالکی کے ایک معتبر شارح کی حیثیت سے پہچانے جاتے ہیں، بیان فرماتے ہیں:

”فقہاء اور محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ایمان قول اور عمل کا نام ہے اور عمل نیت کے بغیر نہیں ہوتا۔..... البتہ امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب کی رائے اس مسئلہ میں یہ ہے کہ طاعات (یعنی اعمال) ایمان میں داخل نہیں۔“^(۳)

۸۔ امام ابن رجبؒ جو فقہ حنبلی کے ایک معروف عالم ہیں، صحیح بخاری کی شرح فتح الباری میں لکھتے ہیں:

”اکثر و بیشتر اہل علم اور ائمہ عظام کی رائے یہی ہے کہ ایمان قول اور عمل کا نام ہے۔ امام شافعیؒ کے بقول اسی رائے پر صحابہ اور تابعین کا اجماع ہے۔ ابو ثورؒ بھی یہی کہتے ہیں کہ اسی رائے پر اجماع ہے۔..... اسی طرح امام اوزاعیؒ اپنے پیش رو ائمہ کرام کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ سلف صالحین ایمان اور عمل میں فرق نہیں کیا کرتے تھے۔.....“

ایمان قول اور عمل کا نام ہے، یہی رائے حسن، سعید بن جبیر، عمر بن عبد العزیز، عطاء، طاؤس، مجاہد شععی، ابراہیم نخعی، امام مالک، امام شافعی، امام احمد، اسحاق، ابو عبید، ابو ثور رحمہم اللہ وغیرہ کی ہے۔“^(۴)

۱۔ شرح السنة، ج ۱، ص ۳۸، ۳۹۔

۲۔ فتح الباری، لابن حجر، ج ۱، ص ۴۷۔

۳۔ النہید، لابن عبد البر، ج ۹، ص ۲۳۸، ۲۴۳۔

۴۔ فتح الباری، لابن رجب، ج ۱، ص ۵۔

۹۔ امام ابن تیمیہؒ جنہوں نے سنی فکر کی اپنی قلم اور زبان سے اس قدر خدمت کی کہ غیر بھی اس کے معترف ہیں، اور آپ نے امام احمد بن حنبلؒ کے افکار و آراء کو اتنی گہرائی سے مطالعہ کر کے سمجھا کہ آپ کے بعد یہ رتبہ اور کسی کو کم ہی مل سکا، نے بھی اپنی کتابوں بالخصوص ’الایمان‘ اور مجموع الفتاویٰ کے مختلف حصوں میں بڑی تفصیل کے ساتھ اس موضوع پر بات کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ ایمان مجرد قول اور اقرار کا نام نہیں بلکہ اس میں عمل کی صورتیں بھی شامل ہیں۔

علماء اہل سنت کے وہ دلائل جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان تین چیزوں (یعنی تصدیق قلبی، اقرار لسانی اور عمل) کے مجموعے کا نام ہے

اہل سنت کے علماء نے ایمان کو تین چیزوں (تصدیق قلبی، اقرار لسانی اور عمل) کا مجموعہ قرار دیتے ہوئے قرآن و سنت کے جن دلائل سے استدلال کیا ہے، ان میں سے چند ایک یہ ہیں:

۱۔ دل سے تصدیق کی دلیل:

(۱) ﴿قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوا وَلَكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ﴾ [سورة الحجرات: ۱۴]

”وہ دیہاتی لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے۔ آپ کہہ دیجیے کہ (حقیقت میں) تم ایمان نہیں لائے بلکہ تم یوں کہو کہ ہم اسلام لائے ہیں، حالانکہ ابھی تک تمہارے دلوں میں ایمان داخل ہی نہیں ہوا۔“

(۲) ﴿مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِهِ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ وَلَكِنْ مَنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللَّهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ اسْتَحَبُّوا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا عَلَى الْآخِرَةِ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ﴾ [سورة النحل: ۱۰۶، ۱۰۷]

”جو شخص اپنے ایمان کے بعد کفر کرے، سوائے اُس کے جس پر جبر کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر برقرار ہو (تو اسے معافی ہے) مگر جو کوئی کھلے دل سے کفر کرے تو ان پر اللہ کا غضب ہے اور انہی کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔ یہ اس لیے کہ انہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت سے زیادہ محبوب رکھا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کافر لوگوں کو راہ راست نہیں دکھاتا۔“

معلوم ہوا کہ اصل چیز یہی ہے کہ انسان دل سے ایمان لائے، ورنہ زبان اور ظاہری اعمال سے اگر کوئی مسلمانوں والے کام کرے مگر اس کے دل میں ایمان نہ ہو تو وہ بالاتفاق منافق ہے۔ اور اگر کسی کے دل میں ایمان موجود ہو اور اسے کلمہ کفر پر کوئی مجبور کر دے تو ایسی صورت میں جان بچانے کے لیے کلمہ کفر کہنے سے اس کا ایمان ختم نہیں ہوگا جیسا کہ دوسرے نمبر والی آیات سے معلوم ہو رہا ہے۔

۲۔ زبان سے اقرار کی دلیل:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((أَمِرْتُ أَنْ أَقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَشْهَدُوا أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنْ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ فَإِذَا فَعَلُوا ذَلِكَ عَصَمُوا مِنِّي دِمَائِهِمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّ الْإِسْلَامِ وَحَسَابُهُمْ عَلَى اللَّهِ))^(۱)

”مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں کے ساتھ لڑائی کروں یہاں تک کہ وہ یہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور وہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں۔ لہذا جب لوگ ایسا کر لیں گے تو وہ اپنے خون اور اموال مجھ سے محفوظ کر لیں گے سوائے اس کے کہ جو اسلام کا برحق ہے، اور ان کا (اعتقادی) حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔“

امام نوویؒ بیان فرماتے ہیں کہ

”اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شہادتین کا زبان سے اقرار کرنا بھی ایمان کے لیے اسی طرح شرط ہے جس طرح ان کا دل سے اعتقاد و یقین رکھنا شرط ہے۔“^(۲)

اہل سنت کے دیگر علماء کی بھی اس سلسلہ میں یہی رائے ہے جیسا کہ امام نوویؒ ہی بیان فرماتے ہیں:

”اہل سنت کے محدثین، فقہاء اور متکلمین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وہ مومن جس کے بارے میں یہ حکم لگایا جاتا ہے کہ یہ اہل قبلہ میں سے ہے اور یہ (کسی گناہ کی وجہ سے) ہمیشہ کے لیے جہنم میں نہیں رہے گا،

۱۔ بخاری، کتاب الایمان، باب فان تابوا واقاموا الصلاة واتوا زكوة فخلوا سبيلهم، ح ۲۵۔ مسلم، کتاب

الایمان، باب الامر بقتال الناس حتى يقولوا لا اله الا الله، ح ۳۶-۲۲۔

۲۔ شرح مسلم، للنووی، ج (۱)، ص ۱۴۹۔

تو یہ وہ شخص ہے جو اپنے دل سے اسلام کا عقیدہ رکھتا ہو اور اس کا عقیدہ اتنا پکا ہو کہ اس میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہ ہو اور وہ شہادتین کے ساتھ اپنی زبان سے اس کا اظہار بھی کرے اور اگر اس میں ان دونوں میں سے صرف ایک ہی بات پائی جائے تو وہ اہل قبلہ (یعنی مسلمانوں) میں شمار نہیں کیا جائے گا۔“ (۱)

۳۔ اعمال کو ایمان کا جز قرار دینے کی دلیل:

اسلام کے ابتدائی دور میں مسلمان بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے مگر بعد میں یہ حکم بدل گیا اور صرف اور صرف کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دے دیا گیا۔ جب یہ حکم دیا گیا، اس وقت کئی لوگ فوت ہو چکے تھے۔ ان کے بارے میں دوسرے لوگوں نے اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھا کہ جو اس حکم کی تبدیلی سے پہلے فوت ہو گئے ہیں، ان کی نمازوں کا کیا بنے گا۔ کیا ان کی نمازوں کا ثواب کہیں ضائع تو نہیں ہو جائے گا؟ تو اس پر یہ بتانے کے لیے کہ ان کی نمازیں ضائع نہیں ہوں گی، قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی کہ

﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضَيِّعَ إِيمَانَكُمْ﴾ [سورة البقرة: ۱۴۳]

”اور اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان ضائع نہیں کرے گا۔“

اس آیت کے شان نزول سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں نماز کو ایمان کہا گیا ہے اور صاف ظاہر ہے کہ نماز ایک عمل ہے۔

اسی طرح بہت سی احادیث میں نبی کریم ﷺ نے کئی عملوں کی ایمان کے ساتھ اس طرح نسبت کی ہے کہ وہ صاف ایمان کا جز معلوم ہوتے ہیں، بطور مثال ایسی چند احادیث ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

(۱) ((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: اتَدْرُونَ مَا الْإِيمَانُ بِاللَّهِ؟ قَالُوا اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: شَهَادَةُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ وَإِقَامُ الصَّلَاةِ، وَإِتْيَانُ الزَّكَاةِ، وَصِيَامُ رَمَضَانَ، وَأَنْ تُعْطُوا مِنَ الْمَعْنَمِ حُمْسًا)) (۲)

۱۔ ایضاً، ص ۲۱۲۔

۲۔ بخاری، کتاب الایمان، باب اداء الخمس من الایمان، ح ۵۳۔ نسائی، کتاب الایمان، ح ۵۰۳۱۔

”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے (عبدالقیس نامی وفد سے) پوچھا: کیا تم لوگ جانتے ہو کہ ایمان کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایمان یہ ہے کہ اس بات کی گواہی دی جائے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے، اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اور نماز قائم کی جائے اور زکوٰۃ ادا کی جائے اور رمضان کے روزے رکھے جائیں اور غنیمت کے مال کا خمس (بیت المال کو) ادا کیا جائے۔“

(۲)..... ایک حدیث میں ہے:

((لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ))^(۱)

”جس شخص میں امانت نہیں، اس میں ایمان بھی نہیں۔“

(۳)..... ایک اور حدیث میں ہے:

((اَلطُّهُورُ شَطْرُ الْإِيمَانِ))^(۲)

”صفائی اور پاکیزگی ایمان کا بڑا (نصف) حصہ ہے۔“

(۴)..... ((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: الْإِيمَانُ بَضْعٌ وَسَبْعُونَ أَوْ بَضْعٌ وَسِتُّونَ شُعْبَةً فَأَفْضَلُهَا قَوْلُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَأَدْنَاهَا إِمَاطَةُ الْأَذَى عَنِ الطَّرِيقِ، وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْإِيمَانِ))^(۳)

”ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایمان کے ساٹھ یا ستر سے کچھ زیادہ شعبے (شائیں) ہیں۔ ان میں سے سب سے افضل لا الہ الا اللہ (یعنی کلمہ) کا اقرار ہے۔ اور سب سے کم تر یہ ہے کہ راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹایا جائے۔ اور حیا بھی ایمان کے شعبوں میں سے ہے۔“

۱۔ مجمع الروائد، ج ۱ ص ۹۶۔

۲۔ مسلم، کتاب الطہارۃ، باب فضل الوضوء۔ شطرحام طور پر ایک بڑے حصہ کو کہتے ہیں، اس لیے بعض اہل علم شطرح کو نصف کے معنی میں بھی لیتے ہیں۔

۳۔ مسلم، کتاب الایمان، باب عدد شعب الایمان، ج ۳۵۔ اس حدیث میں راوی کو شک ہوا ہے کہ ایمان کی ساٹھ سے زیادہ شائیں ہیں یا ستر سے زیادہ، صحیح بخاری میں بغیر شک کے یہ روایت ہے کہ ساٹھ سے کچھ زیادہ شائیں ہیں، دیکھیے:

بخاری، کتاب الایمان، باب امور الایمان، ج ۹۔

ان چاروں احادیث میں اعمال کو ایمان کا جز اور حصہ قرار دیا گیا ہے، اس لیے تمام نیک اعمال ایمان کے دائرے میں داخل ہیں۔ جو شخص جتنے نیک عمل کرے گا، اتنا ہی اس کا ایمان بڑھے گا اور جس کے اعمال کم ہوں گے، اس کا ایمان بھی اسی حساب سے کمزور ہوگا۔ البتہ بعض اعمال ایسے بھی ہیں جن کی غیر موجودگی میں ایمان بھی بے فائدہ ہو کر رہ جاتا ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے انسان کے جسم میں کئی اعضاء ہوتے ہیں، جس کے تمام اعضاء بدن صحیح ہوں، وہ اتنا ہی کامل الخلق اور صحت مند ہوتا ہے اور جس کے اعضاء میں جتنی خرابی ہو، وہ اتنا ہی ناقص الخلق ہوتا ہے اور بعض اعضاء بالخصوص سر، گردن وغیرہ تو ایسے ہیں جن کے ختم ہونے سے زندگی بھی ختم ہو جاتی ہے۔ اوپر مذکور احادیث میں سے چار نمبر حدیث سے اس طرف اشارہ ہوتا ہے، جیسا کہ علامہ ابن ابی العزّٰی عقیدہ طحاویہ کی شرح میں اس حدیث کے پیش نظر فرماتے ہیں:

”ایمان کے کئی شعبے (شاخیں) ہیں جن میں سے بعض وہ ہیں جن کے بارے میں اہل علم کا اجماع ہے کہ ان کی غیر موجودگی میں ایمان بھی ختم ہو جاتا ہے جیسے شہادتین (کلمہ شہادت) کی شاخ ہے۔ اور بعض وہ ہیں جن کے بارے میں اجماع ہے کہ ان کی غیر موجودگی میں ایمان ختم نہیں ہوتا جیسے راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹانا ہے۔ اور ان دو انتہاؤں کے درمیان اور بھی کئی شاخیں ہیں جن میں (ایمان اور کلمہ شہادت کی طرف قریب یا دور کرنے کے لحاظ سے) درجہ بندی پائی جاتی ہے، ان میں سے بعض وہ شاخیں ہیں جو کلمہ شہادت کی طرف قریب کرتی ہیں اور بعض وہ ہیں جو راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹانے والی شاخ کی طرف قریب کرتی ہیں۔ جس طرح ایمان کی شاخوں کو بھی ایمان ہی کہا جاتا ہے، اسی طرح کفر کی شاخوں کو بھی کفر ہی کہا جائے گا، مثلاً اللہ کے نازل کردہ دین کے مطابق قانون سازی ایمان ہے اور اس کی مخالفت میں قانون سازی کفر ہے“^(۱)

مرجہ اور فقہائے حنفیہ

مرجہ فرقہ کی کئی ایک شاخیں ہیں اور ان میں ایمان کی تعریف اور اس کی حدود و قیود کے حوالے سے باہم اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ اس بات پر تو ان کا تقریباً اتفاق ہے کہ عمل ایمان میں کسی طرح بھی شامل نہیں اور فاسق مومن بھی وہی فضیلت رکھتا ہے جو متقی مومن کی ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ ان کے نزدیک ایمان کی

۱- شرح العقیدۃ الطحاویۃ، لابن ابی العزّٰی، ص ۳۴۰۔

کیا تعریف کی جاتی ہے، تو اس حوالے سے ان کے ہاں جو مختلف اقوال ملتے ہیں، ان کا خلاصہ تین اقوال میں بیان کیا جاسکتا ہے اور وہ یہ ہیں:

۱۔ ایک قول یہ ہے کہ ایمان صرف معرفت کا نام ہے، زبان سے اقرار اور اعضاء سے عمل بالکل اس میں داخل نہیں ہے۔

۲۔ ایک قول یہ ہے کہ ایمان صرف زبانی اقرار کا نام ہے۔ قلبی معرفت اور اعمال اس میں داخل نہیں ہیں۔

۳۔ ایک قول یہ ہے کہ ایمان قول اور معرفت (تصدیق) دونوں چیزوں کا نام ہے، البتہ اعمال اس میں داخل نہیں ہیں۔ یہی قول امام ابوحنیفہؒ، ان کے شیخ حماد بن ابی سلیمانؒ، اور ان کے تلامذہ و رفقاء کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، اور اسی لیے انہیں بھی مرجعہ کہا جانے لگا۔ چنانچہ امام ابوحنیفہؒ کے حوالے سے بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے کہا:

”ایمان زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق کرنے کا نام ہے۔ اقرار اکیلا بھی کافی نہیں ورنہ تمام منافق مومن ہی شمار ہوتے اور اسی طرح دل کی تصدیق اور معرفت بھی اکیلی کافی نہیں، ورنہ تمام اہل کتاب مومن قرار پاتے [کیونکہ وہ دل سے جانتے تھے کہ نبی کریم ﷺ سچے رسول ہیں]۔“^(۱)

اسی طرح معروف حنفی عالم ابو معین نسفیؒ بیان فرماتے ہیں کہ

”ایمان کا لغوی معنی ہے: ’دل سے تصدیق کرنا‘..... اور وہ ایمان جو بندے پر اللہ کے حق کے طور پر فرض ہے، کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ نبی کریم ﷺ کی تصدیق کرے اس چیز (دین) میں جو آپ ﷺ اللہ کی طرف سے لائے ہیں۔ جس نے (دل سے) یہ تصدیق کی وہ اللہ کے ہاں مومن ہے اور جہاں تک اس چیز کے زبانی اقرار کا نام ہے، تو اس کی ضرورت اس لیے ہے کہ لوگوں کو معلوم ہو سکے (کہ یہ مسلمان ہے) اور اس پر اسلام کے قانونی احکام (حقوق و فرائض) لاگو ہوں۔ امام ابوحنیفہؒ سے اس سلسلہ میں یہی مروی ہے اور شیخ ابو منصور ماتریدیؒ کی بھی یہی رائے ہے اور صحیح روایت کے مطابق ابوالحسن اشعریؒ کی بھی یہی رائے ہے۔“^(۲)

۱۔ شرح الفقہ الالکبر، لعلى القارى، ص ۶۸، ۶۹۔

۲۔ التمهيد في اصول الدين، للنسفي، ص ۹۹، ۱۰۰۔

لیکن مرجہ اور فقہائے حنفیہ میں ایمان اور اس کے متعلقات کی بحث میں کچھ ایسے بنیادی اختلافات ہیں جو حنفی مکتب فکر کو مرجہ کے قریب کرنے کی بجائے اہل سنت کے قریب کرتے ہیں اور اسی لیے بہت سے اہل علم نے حنفیہ اور اہل سنت کے دیگر اہل علم میں ایمان کی تعریف کے سلسلہ میں پائے جانے والے اختلاف کو محض لفظی اختلاف قرار دیا ہے نہ کہ حقیقی اختلاف، اور نتیجہ کے اعتبار سے انہیں اور دیگر اہل سنت کو قریب قریب قرار دیا ہے جیسا کہ امام ابن تیمیہ بیان فرماتے ہیں کہ

”یہ بات لازماً واضح رہنی چاہیے کہ اہل سنت کا اس (ایمان کی تعریف کے) مسئلہ میں جو اختلاف پایا جاتا ہے، وہ لفظی اختلاف ہے کیونکہ فقہاء میں سے جن لوگوں نے یہ کہا کہ ایمان قول کا نام ہے جیسا کہ حماد بن ابی سلیمان ہیں جنہوں نے سب سے پہلے یہ بات کہی اور اس مسئلہ میں اہل کوفہ وغیرہ نے ان کی پیروی کی، تو یہ لوگ بھی باقی تمام علماء اہل سنت کے ساتھ اس بات پر متفق ہیں کہ گنہگار مذمت اور (سزا کی) وعید میں شامل ہیں۔“^(۱)

برخلاف مرجہ کے کیونکہ ان کے نزدیک گنہگار مومن کسی صورت بھی دائمی جہنم کا مستحق نہیں ہے بلکہ ان کے بقول جس طرح کفر کے موجودگی میں کوئی نیکی فائدہ نہیں دیتی، اسی طرح ایمان کی موجودگی میں کوئی گناہ نقصان نہیں دیتا۔

اسی طرح ابن ابی العزاس سلسلہ میں بیان فرماتے ہیں:

”ایمان کی تعریف کے حوالے سے اہل سنت میں امام ابوحنیفہ اور دیگر ائمہ میں جو اختلاف پایا جاتا ہے، یہ صرف لفظی و صورتی نوعیت کا ہے جس سے عقیدہ میں خرابی لازم نہیں آتی۔ اور وہ اختلاف یہ ہے کہ اعمال کا تعلق ایمان کے ساتھ اس طرح ہے کہ یہ قلبی ایمان کا لازمہ ہیں یا یہ ایمان کا جز ہیں۔ جہاں تک کبیرہ گناہ کے مرتکب کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں (امام ابوحنیفہ اور دیگر علماء اہل سنت) سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ایسا شخص ایمان سے خارج نہیں ہوتا بلکہ وہ اللہ کی مشیت میں ہے، اللہ چاہے تو اسے (اس کے گناہ کی) سزا دے اور چاہے تو معاف کر دے۔.....“

اہل سنت کا اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں سے قول اور عمل دونوں چیزوں کا

۱۔ الايمان، ص ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۷۷۔ نیز دیکھئے: مجموع الفتاوى، لابن تیمیہ، ج ۱۳، ص ۸۲۔

مطالبہ کیا ہے، قول سے میری مراد دل کی تصدیق اور زبان کا اقرار دونوں چیزیں ہیں کیونکہ جب (اہل علم کے ہاں) یہ کہا جاتا ہے کہ ایمان قول اور عمل کا نام ہے تو اس میں قول سے مراد تصدیق قلبی اور اقرار لسانی دونوں چیزیں ہوتی ہیں۔ لیکن بندوں سے یہ جو دو چیزوں کا مطالبہ کیا گیا ہے، کیا ایمان کا لفظ ان دونوں کو شامل ہوتا ہے یا صرف قول (تصدیق و اقرار) کو شامل ہوتا ہے اور عمل اس سے خارج ہوتا ہے، خاص کر جب ایمان کا لفظ اکیلا بولا جائے، اور اگر ایمان کا لفظ بول کر دونوں چیزیں مراد لی جائیں تو کیا اس وقت (عمل پر) ایمان کا اطلاق مجازی ہوتا ہے؟، یہی بات (اہل سنت میں) محل اختلاف ہے۔ اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر ایک شخص دل سے تصدیق کرتا ہو، زبان سے اقرار بھی کرتا ہو مگر اعضاء سے (دین پر) عمل نہ کرے تو وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا نافرمان ہے، (عذاب کی) وعید کا مستحق ہے،^(۱)

ایمان اور اسلام میں فرق

قرآن و سنت میں ایمان اور اسلام دونوں اصطلاحات بہت زیادہ استعمال ہوئی ہیں۔ کبھی دونوں کا ایک ہی مفہوم اور پس منظر ہوتا ہے اور کبھی کچھ فرق ہوتا ہے، اس لیے اہل علم میں اس بات میں اختلاف پیدا ہوا کہ ان دونوں میں فرق ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں علماء اہل سنت کے ہاں دو آراء پائی جاتی ہیں:

۱۔ ایک یہ ہے کہ ایمان اور اسلام دونوں سے ایک ہی چیز مراد ہے یعنی یہ کہ ایمان کہہ کر ہم جو کچھ مراد لیتے ہیں، اسلام سے بھی وہی کچھ مراد ہوتا ہے۔

۲۔ اس سلسلہ میں دوسری رائے جو زیادہ بہتر معلوم ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ اگر یہ دونوں لفظ اکٹھے استعمال ہوں تو پھر ان دونوں کے معنی میں فرق ہوتا ہے اور اگر علیحدہ علیحدہ استعمال ہوں تو پھر ان سے ایک ہی مفہوم مراد ہوتا ہے۔ جب ایمان اور اسلام علیحدہ علیحدہ استعمال ہوں تو پھر ایمان سے مراد وہ عقائد (معتقدات) ہوتے ہیں جن کا تعلق دل کے ساتھ ہوتا ہے اور اسلام سے مراد وہ ظاہری اعمال ہوتے ہیں جن کا تعلق انسان کے اعضاء و جوارح کے ساتھ ہوتا ہے۔ اکثر اہل سنت کا یہی موقف ہے اور اس کی قرآن و سنت سے کئی ایک دلیلیں اہل علم نے بیان کی ہیں جن میں سے ایک دلیل قرآن مجید کی درج ذیل آیت ہے:

۱۔ دیکھیے: شرح العقيدة الطحاوية، لابن ابی العز، ص ۲۳۳، ۲۳۴۔

﴿قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوا وَلَكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ وَإِنْ تُطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَا يَلِتْكُمْ مِنْ أَعْمَالِكُمْ شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ [سورة الحجرات: ١٤]

”وہ دیہاتی لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے۔ آپ کہہ دیجیے کہ (حقیقت میں) تم ایمان نہیں لائے بلکہ تم یوں کہو کہ ہم اسلام لائے ہیں، حالانکہ ابھی تک تمہارے دلوں میں ایمان داخل ہی نہیں ہوا۔ تم اگر اللہ کی اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرنے لگو تو اللہ تمہارے اعمال میں سے کچھ بھی کم نہ کرے گا۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔“

اس آیت میں اعراب (دیہاتی لوگوں) کے لیے ان کا ’اسلام‘ تو تسلیم کیا گیا ہے مگر ایمان کے بارے میں کہا گیا کہ وہ ابھی تمہارے دلوں میں پوری طرح گھر نہیں کر سکا۔ گویا ایمان کا درجہ اسلام سے زیادہ بڑا ہے اور ضروری نہیں کہ ظاہری اعمال ایمان بھی دل میں گھر چکا ہو۔^(۱) اسی طرح بعض احادیث میں ایمان اور اسلام میں واضح طور پر فرق بیان ہوا ہے، مثلاً ایک حدیث ملاحظہ فرمائیں:

((عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ إِذْ طَلَعَ عَلَيْنَا رَجُلٌ شَدِيدُ بَيَاضِ النَّيَابِ شَدِيدُ سَوَادِ الشَّعْرِ..... قَالَ يَا مُحَمَّدُ! أَخْبِرْنِي عَنِ الْإِسْلَامِ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: الْإِسْلَامُ أَنْ تَشْهَدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ وَتَقِيمَ الصَّلَاةَ، وَتُؤْتِيَ الزَّكَاةَ، وَتَصُومَ رَمَضَانَ، وَتَحُجَّ الْبَيْتَ إِنْ اسْتَطَعْتَ إِلَيْهِ سَبِيلًا..... قَالَ فَأَخْبِرْنِي عَنِ الْإِيمَانِ؟ قَالَ: أَنْ تُؤْمِنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ))

”حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن ہم اللہ کے رسول ﷺ کے پاس تھے کہ اچانک ایک آدمی آیا جس کے کپڑے انتہائی سفید اور بال انتہائی سیاہ تھے..... اس نے کہا: اے محمد! مجھے بتائیے کہ اسلام کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسلام یہ ہے کہ تم اس بات کی گواہی دو کہ اللہ کے سوا

۱۔ دیکھیے: تفسیر ابن کثیر، بدیل آیت مذکورہ، ج ۰۴، ص ۲۳۴۔ الایمان، لابن تیسیم، ص ۲۲۵۔

کوئی معبود برحق نہیں ہے اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو اور اللہ کے گھر کا حج کرو، اگر تم اس کی استطاعت (طاقت) رکھتے ہو۔

پھر اس نے کہا کہ آپ ﷺ مجھے بتائیں کہ ایمان کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: (ایمان یہ ہے کہ) تم اللہ پر ایمان لاؤ، اس کے فرشتوں پر ایمان لاؤ، اس کی (نازل کردہ) کتابوں پر ایمان لاؤ، اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ، آخرت کے دن پر ایمان لاؤ، اور تقدیر کے اچھایا برا (سب اللہ کی طرف سے) ہونے پر ایمان لاؤ۔^(۱)

ارکان ایمان کا بیان

”حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: (کہ ایمان یہ ہے) کہ تم:

۱۔ اللہ پر ایمان لاؤ،

۲۔ اس کے فرشتوں پر ایمان لاؤ،

۳۔ اس کی (نازل کردہ) کتابوں پر ایمان لاؤ،

۴۔ اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ،

۵۔ آخرت کے دن پر ایمان لاؤ،

۶۔ اور تقدیر کے اچھایا برا (سب اللہ کی طرف سے) ہونے پر ایمان لاؤ۔“^(۲)

اس حدیث میں چھ چیزوں کے مجموعہ کو ایمان قرار دیا گیا ہے۔ ان چھ چیزوں کو ارکان ایمان بھی کہا جاتا ہے۔ ان میں سے کسی رکن کا انکار کرنے یا اس میں شک کرنے سے انسان کفر کی حدود میں داخل ہو جاتا ہے۔ البتہ ان کی تفصیلات و جزئیات میں تاویل اور اجتہاد وغیرہ کی بنیاد پر اختلاف رائے سے کفر کا حکم نہیں لگایا جاتا، جیسا کہ اگلے صفحات میں تکفیر کے ضوابط اور موانع وغیرہ کے تحت اس پر بحث آئے گی۔

ان چھ چیزوں میں سے پہلی پانچ چیزوں کو قرآن مجید کی درج ذیل آیات میں ایمان کے ارکان کی حیثیت سے بیان کیا گیا ہے:

۱۔ مسلم، کتاب الایمان، باب بیان الایمان والسلام، ح-۸۔ و مثله فی البخاری، ح-۵۰۔

۲۔ ایضاً۔

(۱) ﴿لَيْسَ الْبِرُّ أَنْ تُولُوا وَجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ﴾ [البقرة: ۱۷۷]

”ساری اچھائی مشرق و مغرب کی طرف منہ کرنے میں ہی نہیں بلکہ حقیقتاً اچھا وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ پر، قیامت کے دن پر، فرشتوں پر، کتاب اللہ (قرآن اور سابقہ صحائف و کتب سماویہ) پر اور نبیوں پر ایمان رکھنے والا ہو۔“

(۲) ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ مِنْ قَبْلُ وَمَنْ يُكْفَرْ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا﴾

”اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ پر اس کے رسول ﷺ پر، اس کی کتاب (قرآن) پر جو اس نے اپنے رسول پر اتاری ہے اور ہر اس کتاب پر جو اس (قرآن) سے پہلے اس نے نازل فرمائی ہے، ایمان لاؤ! جو شخص اللہ سے، اس کے فرشتوں سے، اس کی کتابوں سے، اس کے رسولوں سے اور قیامت کے دن سے کفر کرے وہ تو بہت بڑی دور کی گمراہی میں جا پڑا۔“ [سورۃ النساء: ۱۳۶]

ان پانچ چیزوں کے ارکان ایمان ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں، البتہ تقدیر کے بارے میں بعض اہل علم شبہ میں پڑے ہیں کہ اسے بھی ان پانچ ارکان کی طرح ایک رکن کی حیثیت حاصل ہے یا نہیں۔ حق بات یہی ہے کہ اسے بھی ایمان کے رکن کی حیثیت حاصل ہے اور اس کا ثبوت صرف حدیث ہی سے نہیں ہوتا بلکہ قرآن مجید میں بھی ایسی آیات موجود ہیں جن میں تقدیر پر ایمان لانے کے بارے میں صاف ذکر ملتا ہے اور ایمان بالقدر کے عقیدہ کی تائید ہوتی ہے، مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۱) ﴿مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِّنْ قَبْلِ أَنْ نُسْرَاهَا إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ لِّكَيْلًا تَأْمُرُوا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَانَاكُمْ﴾ [سورۃ الحديد: ۲۲، ۲۳]

”کوئی بھی مصیبت جو زمین میں آتی ہے یا خود تمہاری جانوں کو پہنچتی ہے، وہ ہمارے پیدا کرنے سے پہلے ہی کتاب میں (یعنی تقدیر میں لکھی ہوئی) ہے۔ یہ بات بلاشبہ اللہ کے لیے آسان ہے، یہ اس لیے ہے تاکہ جو تمہیں نزل سکے اس پر تم غم نہ کرو اور جو اللہ تمہیں دے اس پر فرخندہ کرو۔“

(۲) ﴿إِنَّا كُلُّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ﴾ [سورۃ القمر: ۴۹]

”بے شک ہم نے ہر چیز کو ایک (مقررہ) اندازے پر پیدا کیا ہے۔“

(۳) ﴿وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ قَدَرًا مَّقْضُورًا﴾ [سورة الاحزاب: ۳۸]

”اور اللہ تعالیٰ کے (سب) کام اندازے پر مقرر کیے ہوئے ہیں۔“

ایمان کے ساتھ ان شاء اللہ کہنا (یعنی استثناء کرنا)

کیا انسان اس طرح کہہ سکتا ہے کہ ”میں مومن ہوں“ یا اس کے ساتھ ”ان شاء اللہ“ بھی کہنا چاہیے۔ اس مسئلہ میں اختلاف ہے جیسا کہ ابن ابی العزریٰ بیان فرماتے ہیں:

”اس مسئلہ میں اختلاف ہے اور تین مختلف آراء ہیں۔ ایک ان لوگوں کی رائے ہے جو ان شاء اللہ کہنے کو فرض قرار دیتے ہیں اور ایک ان کی رائے ہے جو ان شاء اللہ کہنے کو حرام کہتے ہیں اور تیسری رائے ان لوگوں کی ہے جو بعض حالات میں ان شاء اللہ کہنے کو جائز کہتے ہیں اور بعض حالات میں ناجائز کہتے ہیں اور یہی رائے سب سے صحیح ہے۔.....“

اگر کوئی شخص اپنے ایمان کی اصل اور بنیاد میں شک کرتے ہوئے کہے کہ ”میں مومن ہوں، ان شاء اللہ“، تو پھر اس طرح کہنا درست نہیں [اس لیے مومن کو اپنے ایمان میں شک نہیں ہونا چاہیے] اور اگر کوئی مومن یہ سمجھے کہ میں بھی ان مومنوں کی طرح ہوں جن کی قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے خود تعریف کی ہے تو پھر ایسی صورت میں اسے ان شاء اللہ بھی کہنا چاہیے۔^(۱)

ایمان میں کمی بیشی کا مسئلہ

اس مسئلہ میں جمہور اہل سنت کی رائے یہ ہے کہ ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے۔ فقہاء حنفیہ کے ہاں چونکہ ایمان کی تعریف میں اختلاف پایا جاتا ہے، اس لیے اس اختلاف کا اثر اس مسئلہ میں بھی ظاہر ہوا کہ ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے یا نہیں۔ بعض فقہاء حنفیہ کے نزدیک ایمان میں کمی بیشی نہیں ہوتی کیونکہ یہ تصدیق اور اقرار کا نام ہے اور تصدیق و اقرار میں ظاہری طور پر تو سب برابر ہی ہوتے ہیں۔ جبکہ بعض حنفی فقہاء نے کہا کہ اصل تصدیق کے لحاظ سے ایمان میں کمی بیشی نہیں ہوتی مگر یقین کے اعتبار سے ہوتی ہے جبکہ بعض حنفی

۱۔ شرح العقیلة الطحاویة، ص ۳۵۱، ۳۵۲۔

فقہاء نے دیگر اہل سنت کی طرح یہی رائے اختیار کی کہ قلبی تصدیق میں بھی کمی بیشی ہوتی ہے۔^(۱) ایمان کی کمی بیشی کے جواز کے سلسلہ میں قرآن و سنت کے جن دلائل سے جمہور علماء اہل سنت استدلال کرتے ہیں، ان میں سے چند ایک درج ذیل ہے:

قرآنی دلائل

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۱) ﴿وَإِذَا تَلَّيْتُمْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا﴾ [سورة الانفال: ۲]

”اور جب انہیں اللہ کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو یہ آیتیں ان کے ایمان میں اضافہ کر دیتی ہیں۔“

(۲) ﴿وَيَزِيدُ اللَّهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى﴾ [سورة مريم: ۷۶]

”اور ہدایت یافتہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ ہدایت میں بڑھا دیتا ہے۔“

(۳) ﴿وَيَزِدَادَ الَّذِينَ آمَنُوا إِيمَانًا﴾ [سورة المدثر: ۳۱]

”اور ایمان والے لوگوں کو اللہ تعالیٰ ایمان میں بڑھا دیتا ہے۔“

(۴) ﴿هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ لِيَزْدَادُوا إِيمَانًا مَعَ إِيمَانِهِمْ﴾

[سورة الفتح: ۴]

”وہی اللہ ہے جس نے مسلمانوں کے دلوں میں سکون (اور اطمینان) ڈال دیا تاکہ اپنے ایمان کے ساتھ ہی ساتھ اور بھی ایمان میں بڑھ جائیں۔“

(۵) ﴿الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَانًا وَقَالُوا

حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ﴾ [سورة آل عمران: ۱۷۳]

”وہ (ایمان والے) لوگ کہ جب ان سے لوگوں نے کہا کہ کافروں نے تمہارے مقابلہ پر لشکر جمع کر لئے ہیں، تم ان سے خوف کھاؤ تو اس بات نے انہیں ایمان میں اور بڑھا دیا اور وہ کہنے لگے کہ ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے۔“

۱۔ دیکھئے: السوافف، للایچی، ص ۳۸۸۔ اصول الدین، للغدادی، ص ۲۵۳۔

احادیث

(۱) ((عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَفِي قَلْبِهِ وَزُنْ شَعِيرٍ مِنْ خَيْرٍ وَيَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَفِي قَلْبِهِ وَزُنْ بُرَّةٌ مِنْ خَيْرٍ وَيَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَفِي قَلْبِهِ وَزُنْ ذَرَّةٌ مِنْ خَيْرٍ))^(۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: جس نے کلمہ (لا الہ الا اللہ) پڑھ لیا، اور اس کے دل میں جو برابر بھی ایمان ہو تو وہ جہنم کی آگ سے نکل آئے گا۔ اسی طرح جس نے کلمہ (لا الہ الا اللہ) پڑھ لیا، اور اس کے دل میں گندم کے دانے برابر بھی ایمان ہو تو وہ جہنم کی آگ سے نکل آئے گا۔ اسی طرح جس نے کلمہ (لا الہ الا اللہ) پڑھ لیا، اور اس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہو تو وہ جہنم کی آگ سے نکل آئے گا۔

(۲) ایک حدیث میں ہے:

((أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا))^(۲)

”مومنوں میں ایمان کے لحاظ سے سب سے کامل وہ ہے جو سب سے زیادہ بااخلاق ہو۔“

(۳) ((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: لَا يَزْنِي الزَّانِي حِينَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَسْرِقُ السَّارِقُ حِينَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَشْرَبُ الْخَمْرَ حِينَ يَشْرَبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ))^(۳)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: زانی جب زنا کرتا ہے تو مومن نہیں ہوتا، چور جب چوری کرتا ہے تو مومن نہیں ہوتا، شرابی جب شراب پیتا ہے تو مومن نہیں ہوتا۔“

۱۔ بخاری، کتاب الایمان، باب زیادة الایمان ونقصانه، ح ۴۴۔ مسلم، کتاب الایمان، ح ۱۹۳۔ اس حدیث میں خیر کا ترجمہ ایمان کیا گیا ہے، اس لیے کہ ایک تو سیاق و سباق اسی کا تقاضا کرتا ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ امام بخاری نے اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ایک راوی نے خیر کی جگہ ایمان کا لفظ بولا ہے۔

۲۔ مسند احمد، ج ۲، ص ۵۲۷۔ ابوداؤد، ح ۶۸۲۔ ترمذی، ح ۱۶۲۔ السلسلة الصحيحة۔

۳۔ مسلم، کتاب الایمان، باب بیان نقصان الایمان بالمعاصی، ح ۵۷۔ مثله فی البخاری، کتاب الایمان،

باب امور الایمان، ح ۹۔

(۳)..... ایک حدیث میں ہے:

((لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ))^(۱)

”جس شخص میں امانت نہیں، اس میں ایمان بھی نہیں۔“

امام نوویؒ اس جیسی احادیث کے حوالے سے فرماتے ہیں:

”صحیح بات جسے محققین نے بیان کیا ہے، اس کے مطابق اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جب گنہگار گناہ کرتا ہے تو اس وقت اس کا ایمان (موجود تو ہوتا ہے مگر) کامل نہیں رہتا۔ یہ ان الفاظ میں سے ہے جو کسی چیز کی نفی کے لیے جب استعمال ہوتے ہیں تو اس وقت نفی کمال مراد ہوتی ہے (نفی شے مراد نہیں ہوتی) مثلاً جیسے کہا جاتا ہے کہ لَا عِلْمَ إِلَّا مَا نَفَع. ”کوئی علم نہیں ہے مگر صرف وہی جو نفع مند ہو۔“ لَا مَالَ إِلَّا الْإِبِل. ”کوئی مال نہیں ہے مگر صرف وہ جو اونٹ ہوں۔“ [اس کا مطلب یہ نہیں کہ اونٹوں کے علاوہ کوئی چیز مال نہیں ہوتی بلکہ عرب محاورے میں اس سے مراد یہ لیا گیا ہے کہ جو مالیت اور قیمت اونٹ کی ہے وہ بکری، گائے وغیرہ دوسری چیزوں کی نہیں] ^(۲)

صحابہ کرامؓ کے اقوال

۱۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ، بیان فرماتے ہیں:

”الْإِيمَانُ يَزِدُّكَ وَيَنْقُصُ“^(۳)

”ایمان زیادہ بھی ہوتا ہے اور کم بھی ہوتا ہے۔“

۲۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، بیان فرماتے ہیں:

”الْإِيمَانُ يَزِيدُ وَيَنْقُصُ“^(۴)

”ایمان بڑھتا بھی ہے اور کم بھی ہوتا ہے۔“

۱۔ مجمع الزوائد، ج ۱ ص ۹۶۔

۲۔ شرح مسلم، للنووی، ج ۲، ص ۴۱۔

۳۔ السنة، لعبد الله بن احمد، ۷۴۔ الابانة، لابن بطة، ج ۲، ص ۸۴۳۔ اللالكائي، ج ۵، ص ۹۴۴۔

۴۔ السنة، لعبد الله بن احمد، ۷۵۔ الابانة، لابن بطة، ج ۲، ص ۸۴۴۔ اللالكائي، ج ۵، ص ۹۴۵۔

۳۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما یہ دعا کیا کرتے تھے:

”اَللّٰهُمَّ زِدْنَا اِيْمَانًا وَبَقِيْنًا وَفَقْهًا“^(۱)

”اے اللہ! ہمارے ایمان، یقین اور فہم میں اضافہ فرما۔“

امام ابن تیمیہؒ بیان فرماتے ہیں کہ

”ایمان میں زیادتی اور کمی کا ثبوت صحابہ سے بھی ثابت ہے اور کسی صحابی کا اس مسئلہ میں اختلاف بھی

منقول نہیں ہے۔“^(۲)

اہل ایمان کے ایمان کے لحاظ سے مختلف درجات

علماء اہل سنت کے ہاں اہل ایمان اپنے اپنے ایمان کے لحاظ سے مختلف درجات میں ہوتے ہیں جیسا کہ قرآن مجید کی درج ذیل آیت سے معلوم ہوتا ہے:

﴿ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ إِذْ يُؤْتِنِ اللَّهُ ذَلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ﴾ [سورة فاطر: ۳۲]

”پھر ہم نے ان لوگوں کو (اس) کتاب کا وارث بنایا جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے پسند فرمایا۔ پھر بعض تو ان میں اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعض ان میں متوسط درجے میں ہیں اور بعض ان میں اللہ کی توفیق سے نیکیوں میں ترقی کیے چلے جاتے ہیں۔ یہ ہی بڑا فضل ہے۔“

اس آیت کے پیش نظر بہت سے اہل علم نے یہ رائے اختیار کی ہے کہ اہل ایمان کے تین مختلف درجات ہیں۔ کچھ وہ ہیں جن کا ایمان انتہائی کامل درجہ کا ہے، کچھ کا ایمان ناقص ہے کامل نہیں۔ پھر یہ ناقص بھی کسی کا زیادہ ناقص ہے اور کسی کا کم ناقص ہے۔

جن احادیث میں ایمان کے مختلف شعبوں کا بیان ہے، ان سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اہل ایمان میں عمل کے لحاظ سے مختلف درجات ہیں۔ چنانچہ وہ حدیث جس میں ایمان کے شعبوں کو بیان کیا گیا ہے، کی تشریح میں امام خطابیؒ بیان فرماتے ہیں کہ

۱۔ الابانة، لابن بطنة، ج ۲، ص ۸۶۶۔ اللالكائي، ج ۵، ص ۹۴۲۔ فتح الباری، ج ۱، ص ۴۸۔

۲۔ الايمان، ص ۲۱۱۔

”شرعی طور پر جس چیز کو ایمان کہا جاتا ہے، اس سے مراد ایسی چیز ہے جس کے کئی شعبے اور اجزاء ہیں، کچھ بڑے اور کچھ چھوٹے۔ لفظ ایمان کا اطلاق ان میں سے کسی بھی شعبے پر اسی طرح ہوتا ہے جس طرح تمام شعبوں پر ہوتا ہے، البتہ ایمان کی حقیقت اس حالت کا تقاضا کرتی ہے جس میں تمام شعبے پورے ہوں اور تمام اجزاء کا اس میں احاطہ کیا گیا ہو“۔^(۱)

اہل ایمان کے مختلف درجات بیان کرتے ہوئے ابو عبید بیان فرماتے ہیں کہ

”ہر چیز کا ایک نام ہوتا ہے، جب آدمی اس کا آغاز کرتا ہے اور اس میں داخل ہوتا ہے تو اس چیز کی مناسبت سے اسے اسی چیز کے ساتھ منسوب کیا جاتا ہے، یہ الگ بات ہے کہ کوئی اس میں آگے ہوتا ہے اور کوئی پیچھے۔ مثلاً آپ کچھ لوگوں کو نماز پڑھتے دیکھتے ہیں، کچھ نماز کے شروع میں ہیں، کچھ رکوع میں، کچھ سجدے میں، کچھ قیام میں اور کچھ تشهد میں تو یہ سب اس بات کے مستحق ہیں کہ انہیں نمازی کہا جائے اور اس لیے ان سب کو نمازی ہی کہا جاتا ہے حالانکہ کوئی نماز کے شروع میں ہوتا ہے اور کوئی درمیان میں اور کوئی آخر میں۔..... یہی صورتحال ایمان کی بھی ہے۔ ایمان کے بھی مختلف درجے اور منزلیں ہیں لیکن ان مختلف درجات کے سبھی لوگوں کے لیے ایک ہی نام (یعنی مومن) بولا جاتا ہے“۔^(۲)

ایمان کا وہ درجہ (حد) جس کے بعد کفر ہے

ایمان کے مختلف درجات اور حدود میں ایک حد یا درجہ وہ ہے جس کے پیچھے ایمان باقی نہیں رہتا بلکہ اس حد سے آگے بڑھ جانے والا پھر کفر میں داخل ہو جاتا ہے جیسا کہ امام مروزیؒ بیان فرماتے ہیں:

”کفر ایمان کی اصل (جز اور بنیاد) کی ضد ہے کیونکہ ایمان کی ایک اصل ہوتی ہے اور باقی فروع ہوتی ہیں اور کفر اس وقت تک ثابت نہیں ہوتا جب تک کہ ایمان کی اصل ہی ختم نہ ہو جائے“۔^(۳)

اس نکتے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امام ابن تیمیہؒ بیان فرماتے ہیں:

”عامۃ الناس جو کفر سے اسلام میں داخل ہوئے ہوں یا اسلام پر پیدا ہوئے ہوں اور شریعت کی پیروی

۱۔ معالم السنن، ج ۵، ص ۵۶۔

۲۔ الایمان، لابی عبید، ص ۷۵، ۷۶۔

۳۔ تعظیم قدر الصلاة، للمروزی، ج ۲، ص ۵۱۳۔

کو لازم سمجھتے ہوں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنے والوں میں سے ہوں تو وہ مسلمان ہیں اور ان کا ایمان ابھی ایمان مجمل ہے جبکہ حقیقی ایمان کا ان کے دلوں تک پہنچنا آہستہ آہستہ ہوتا ہے بشرطیکہ اللہ کی توفیق سے ان کے لیے یہ ممکن ہو، ورنہ بہت سے لوگ تو اس یقین کے درجہ تک اور (اس ایمان کی خاطر) جہاد کرنے تک پہنچ ہی نہیں پاتے۔ اگر انہیں (ایمان کے سلسلہ میں) شک ڈالا جائے تو وہ شک میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور اگر ان سے (ایمان کی خاطر) جہاد کا مطالبہ کیا جائے تو وہ اس کے لیے تیار نہیں ہوتے حالانکہ وہ کافر یا منافق نہیں ہوتے، تاہم ان کے دلوں میں علم، معرفت اور یقین اس درجہ کا نہیں ہوتا جو ان کے شک کو دور کر سکے اور نہ ہی انہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لیے اس درجہ کی محبت حاصل ہوئی ہوتی ہے کہ جس کے لیے وہ اپنے اہل اور مال کی قربانی دے سکیں۔ اگر تو ایسے لوگ موت تک کسی آزمائش سے بچے رہ جائیں تو جنت کے مستحق قرار پاتے ہیں اور اگر ان کی آزمائش کسی ایسے بندے کے ساتھ ہو جائے جو ان میں شکوک و شبہات پیدا کرے اور اللہ کی طرف سے ان شبہات کے ازالہ کے لیے اللہ کا فضل بھی ان پر نہ ہو تو یہ شک کرنے والے بن جاتے ہیں اور نفاق کی ایک قسم کے مرتکب ہو جاتے ہیں۔“^(۱)

کبیرہ گناہ کے مرتکب کا ایمان

اہل علم کے ہاں گناہوں کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ جنہیں کبائر یعنی کبیرہ گناہ کہا جاتا ہے اور ایک وہ جنہیں صغائر یعنی صغیرہ گناہ کہا جاتا ہے۔

ایک مسلمان اگر کبیرہ گناہ کا ارتکاب کر بیٹھے تو کیا وہ مسلمان و مومن رہے گا یا دائرہ ایمان سے خارج ہو جائے گا؟ یہ وہ سوال ہے جس کے جواب میں خارجی فرقے نے یہ رائے اختیار کی کہ ایسے لوگوں کا ایمان ختم ہو جاتا ہے، لہذا انہیں کافر قرار دیا جائے گا اور آخرت میں بھی یہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ جب کہ معتزلہ نے کہا کہ ایسا بندہ نہ مومن ہے نہ کافر، بلکہ دونوں مرتبوں کے درمیان ہے اور اس کے لیے فاسق کی اصطلاح بولی جائے گی۔ دنیا میں یہ ایمان والوں کی صف سے نکالنا نہیں جائے گا بلکہ اس کے احکام (دنیوی حقوق و فرائض) مومنوں کی طرح ہی ہوں گے اور آخرت میں یہ کافروں کی طرح ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔

۱۔ الایمان، لابن تیمیہ، ص ۲۵۸، ۲۵۷۔

مرجہ نے کہا کہ ایسے لوگوں کا ایمان کسی صورت بھی ختم نہیں ہوتا، خواہ وہ سرے سے کوئی نیک عمل نہ کریں۔

اہل سنت کا موقف خوارج اور مرجہ کے درمیان ہے اور وہ یہ کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب کا فر نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا لیکن شرط یہ ہے کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب گناہ کو گناہ ہی سمجھتا ہو، اسے ہٹ دھرمی سے حلال قرار نہ دیتا ہو جیسا کہ امام بغویؒ بیان فرماتے ہیں:

”اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کبیرہ گناہ کے ارتکاب سے مومن اپنے ایمان سے خارج نہیں ہوتا بشرطیکہ وہ گناہ کو حلال نہ کہتا ہو۔ اگر وہ گناہ کی حالت میں توبہ کرنے سے پہلے مر جائے تو ہمیشہ کے لیے جہنم میں نہیں جائے گا، جیسا کہ حدیث میں ذکر ہے۔ البتہ اس کا معاملہ اللہ کے ساتھ ہے، اللہ چاہے تو اس کے اس کبیرہ گناہ کو معاف کر دے اور چاہے تو اس کے گناہ کے بقدر اسے سزا دے اور پھر اپنی رحمت سے اسے جنت میں داخل کر دے“۔^(۱)

اہل سنت اپنے اس موقف کے لیے جن دلائل سے استدلال کرتے ہیں وہ درج ذیل نوعیت کے ہیں:

۱۔ ایک تو وہ دلائل جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شرک کے علاوہ اللہ تعالیٰ ہر گناہ کو معاف کر دیں گے۔ ظاہر ہے شرک کے علاوہ بے شمار کبیرہ گناہ جو کفر صریح کی حدود میں داخل نہیں ہوتے، انہیں معاف کر دیا جائے گا۔

۲۔ دوسرے وہ دلائل جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عقیدہ توحید پر مرنے والا خواہ کبیرہ گناہ کا مرتکب ہی کیوں نہ رہا ہو، وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں نہیں رہے گا جیسا کہ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”میرے پاس جبریل آئے اور انہوں نے مجھے یہ خوشخبری دی کہ آپ کی امت میں سے جو کوئی اس حال میں مرا کہ وہ اللہ کے ساتھ شرک نہیں کرتا تھا، تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ تو میں نے کہا: خواہ اس نے زنا کیا ہو اور چوری کی ہو؟ تو آپ نے جواب دیا کہ ہاں، خواہ اس نے زنا کیا ہو یا چوری کی ہو!“^(۲)

۱۔ شرح السنۃ، للبغوی، ج ۱، ص ۱۰۳۔

۲۔ مسلم، کتاب الایمان، باب من مات من امتی لا یشرک باللہ شیئا دخل الجنة۔

امام نوویؒ اس حدیث کی شرح میں بیان فرماتے ہیں کہ
 ”یہ حدیث اہل سنت کے اس موقف کی دلیل ہے کہ کبیرہ گناہ کے مرتکب ہمیشہ کے لیے جہنم میں نہیں
 رہیں گے۔ اگر وہ جہنم میں گئے تو (سزا پانے کے بعد) اس سے نکال لیے جائیں گے اور بالآخر ہمیشہ
 کے لیے جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے۔“^(۱)

۳۔ تیسرے وہ دلائل جن میں صاف اس بات کی وضاحت ملتی ہے کہ کبیرہ گناہ کے مرتکب کو گناہ کے
 ارتکاب کے باوجود مومن ہی کہا گیا ہے مثلاً قرآن مجید میں ہے:

﴿وَإِن طَافَتَا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فَاصْلِحُوا بَيْنَهُمَا فَإِن نَعَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَى
 فَقَاتِلُوا آلِئِي تَبَعِي حَتَّى تَفِيءَ إِلَى أَمْرِ اللَّهِ فَإِن فَآءَ فَاصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ
 اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَاصْلِحُوا بَيْنَ أَخْوَانِكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ
 تُرْحَمُونَ﴾ [سورة الحجرات: ۱۰، ۹]

”اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرادو، پھر اگر ان دونوں میں سے ایک
 جماعت دوسری پر زیادتی کرے تو تم زیادتی کرنے والی جماعت سے اس وقت تک لڑو حتیٰ کہ وہ اللہ
 کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔ اگر لوٹ آئے تو پھر انصاف کے ساتھ صلح کرادو اور عدل کرو۔ بے شک
 اللہ تعالیٰ عدل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ (یاد رکھو کہ) سارے مسلمان آپس میں بھائی بھائی
 ہیں، پس اپنے دو بھائیوں میں صلح کرادیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔“

مسلمانوں کا آپس میں لڑنا اور ایک دوسرے پر ظلم و زیادتی کرنا کبیرہ گناہ ہے، مگر اس کے باوجود ایسے
 لوگ دائرہ ایمان سے خارج قرار نہیں دیئے گئے بلکہ انہیں مومن کہہ کر ہی اللہ تعالیٰ نے خطاب کیا ہے۔
 اسی طرح بعض احادیث میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے دور میں عبد اللہ نامی ایک شخص تھا جسے حمار
 (گدھا) کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ وہ شخص شراب کی حرمت کے باوجود شراب پی لیتا۔ اسے کئی مرتبہ اس
 جرم کی سزا بھی دی گئی مگر اس سے پھر اس جرم کا ارتکاب ہو جاتا۔ ایسے ہی ایک موقع پر جب اسے شراب
 پینے کے جرم میں کوڑے لگائے گئے تو حاضرین میں سے کسی شخص نے غصہ میں آ کر کہا:

۱۔ شرح مسلم، للنووی، ج ۲، ص ۹۷۔

((اَللّٰهُمَّ الْعَنهُ مَا اكْتَرَمَا يُؤْتِيْ بِهٖ فَقَالَ النَّبِيُّ: لَا تَلْعَنُوْهُ فَوَاللّٰهِ مَا عَلِمْتُ اَنَّهُ يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ))
 ”اللہ اس پر لعنت کرے، کتنی بار اسے اس جرم میں لایا گیا ہے! تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”اس پر لعنت نہ کرو، اللہ کی قسم! جہاں تک میری معلومات ہیں، یہ شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرنے والا ہے.....!“^(۱)

بظاہر یہ شرابی تھا اور اس جرم میں کئی مرتبہ رنگے ہاتھوں پکڑا اور سزا بھی دیا گیا مگر اس کے باوجود اس کے دل میں اللہ کے رسول ﷺ کی محبت موجود تھی جس کی گواہی خود نبی اکرم ﷺ نے دی ہے.....!
 ۴۔ چوتھے وہ دلائل ہیں جن میں کبیرہ گناہ کے مرتکب لوگوں کو کافر و مرتد قرار دے کر قتل کر دینے کی بجائے ان پر ان کے گناہوں کی سزا کے لیے مختلف حدیں مقرر کی گئی ہیں مثلاً چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا، زانی کو سو کوڑے یا رجم کی سزا دی جائے گی، شرابی اور تہمت لگانے والے کو کوڑے لگائے جائیں گے۔ اگر ان گناہوں کے ساتھ انسان کا ایمان ختم ہو جاتا تو پھر یہ سزائیں دینے کی بجائے انہیں مرتد قرار دے کر ہر حال میں قتل ہی کیا جاتا جبکہ ایسا نہیں ہے۔



۱۔ صحیح بخاری، کتاب الحدود، باب ما بکرہ من لعن شارب الخمر وانه لیس بخارج من الملة، ح ۶۷۸۰۔

انسان اور کفر و مکفرات (نواقض ایمان)

’کفر‘..... معنی و مفہوم اور اس کی بنیادی اقسام

انسان کو کافر بنانے والی چیزیں (یعنی مکفرات)

اعتقادی مکفرات / اعتقادی نواقض

قولی مکفرات / قولی نواقض

عملی مکفرات / عملی نواقض

الحکم بغير ما انزل اللہ!

.....☆.....

کفر..... معنی و مفہوم اور اس کی بنیادی اقسام

اس فصل میں لغوی اور اصطلاحی طور پر کفر کے معنی و مفہوم اور اس کی اقسام کے بارے میں بات کی جائے گی، ان شاء اللہ!

کفر کسے کہتے ہیں؟

کفر کا لفظ عربی میں کسی چیز کو چھپانے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ کاشت کار (کسان) کے لیے بھی لغوی طور پر 'کافر' کا لفظ بولا جاتا ہے، اس لیے کہ وہ بھیج کو جب کھیت میں ڈالتا ہے تو اسے کھیت کی مٹی میں چھپا دیتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿اعْمَجِبِ الْكُفَّارَ نَبَاتُهُ﴾ [سورة الحديد: ۲۰]

”اس کی پیداوار کسانوں کو اچھی معلوم ہوتی ہے۔“

اسلامی اصطلاح میں کفر کا لفظ ایمان کے بالمقابل (یعنی متضاد کے طور پر) استعمال کیا جاتا ہے۔ اس لیے کہ کافر اسے کہتے ہیں جو دین حق کو دل و جان سے تسلیم کرنے اور اس کا اقرار کرنے کی بجائے اسے چھپاتا ہے۔ اور نتیجہ کے اعتبار سے کسی چیز کو چھپانا ایسے ہی ہے کہ جیسے اس کا انکار کیا جا رہا ہے۔ اس لیے لفظ کفر کا معنی انکار بھی کیا جاتا ہے۔

امام راغب اصفہانی بیان فرماتے ہیں کہ

”لغوی طور پر کفر کا معنی ہے: سترالشیء۔ بعض ماہرین لغت کے بقول رات اور کسان کے لیے بطور آہ تو نہیں البتہ بطور صفت لفظ 'کافر' بولا جاتا ہے، اس لیے کہ رات تمام لوگوں کو (اپنے اندھیرے میں) چھپا لیتی ہے اور کسان بھیج کو زمین میں چھپا دیتا ہے۔ کفر ان نعمت یعنی کسی نعمت کے کفر سے مراد یہ ہے کہ اس نعمت کا شکر ادا نہ کر کے اسے چھپایا جائے۔ سب سے بڑا کفر یہ ہے کہ اللہ کی وحدانیت یا شریعت یا نبوت کا انکار کیا جائے۔ جب کسی نعمت کو چھپایا جائے تو وہ نتیجہ کے اعتبار سے اس نعمت کا انکار کرنا ہی

سمجھا جاتا ہے، اس لیے کفر کا لفظ انکار کے مفہوم میں بھی استعمال ہوا ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَلَا تَكُونُوا أَوَّلَ كَافِرٍ بِهِ﴾

یعنی ”اس کا انکار کرنے والے اور اسے چھپانے والے نہ بنو“..... کفر ایمان کی ضد ہے“۔^(۱)

اصطلاحی طور پر ’کفر‘ کی جتنی بھی تعریفات اہل علم سے منقول ہیں، ان سب کا اگر خلاصہ یا ایسا مشترک نکتہ بیان کیا جائے کہ جس پر کسی کا اختلاف نہ ہو، تو وہ یہی ہے کہ ”کفر ایمان کی ضد ہے“۔ اب جس شخص کے نزدیک جو چیز ایمان ہے، اس کی ضد اس کے نزدیک کفر قرار پائے گی۔

ایمان کی تعریف مختلف لوگوں نے مختلف انداز میں بیان کی ہیں جیسا کہ خوارج، معتزلہ، اشاعرہ اور اہل سنت کا اس سلسلہ میں اختلاف مشہور ہے۔ لہذا جو چیز ان میں سے جس فرقے کے نزدیک ایمان کی تعریف کے منافی ہوگی وہ اس کے نزدیک کفر میں شمار ہوگی۔ یا دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ ان فرقوں میں سے جس کے نزدیک جو تعریف ’مسلمان‘ کی کہ جاتی ہے، اس تعریف کی ضد کو اس کے نزدیک کفر کہا جائے گا۔ لیکن یاد رہے کہ یہ بات اصولی حد تک تو صحیح ہے مگر تفصیلات و جزئیات میں اس اصول اور قاعدے کے اطلاق میں کئی اور پہلو بھی مد نظر رکھنا پڑتے ہیں۔

ابولہال عسکری اپنی کتاب فروق اللغویۃ میں بیان فرماتے ہیں کہ

”کفر کا لفظ کئی ایک گناہوں پر بولا جاتا ہے جن میں شرک باللہ، نبوت کا انکار، اللہ کی حرام کردہ چیز کو

حلال کرنا وغیرہ شامل ہے اور یہ آخری چیز ایک لحاظ سے نبوت ہی کا انکار ہے“۔^(۲)

نیز فرماتے ہیں:

”کفر اور شرک میں فرق یہ ہے کہ کفر بہت سی صورتوں کے لیے بولا جاتا ہے جیسا کہ ہم نے پیچھے بیان کیا

ہے اور یہ ایسی خصلتیں ہیں جن میں سے ہر خصلت ایمان کی ضد ہے، کیونکہ بندہ جب کفر کی ایک

خصلت کا ارتکاب کرتا ہے تو وہ ایمان کی ایک خصلت کو ضائع کر بیٹھتا ہے۔ اور شرک بھی کفر کی ایک

خصلت ہے اور شرک یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ یا اللہ کو چھوڑ کر اور معبود بنایا جائے۔ شرک کے اشتقاق

۱۔ مفردات القرآن، للراغب الاصفہانی، ص ۴۳۴۔

۲۔ فروق اللغویۃ، لابی ہلال العسکری، ص ۱۸۹۔

میں یہی مفہوم پایا جاتا ہے، پھر کثرت استعمال اور بہت بڑا گناہ ہونے کی وجہ سے ہر کفر کو شرک کہا جانے لگا۔ کفر کی اصل (لغوی معنی) ناشکری ہے اور اس کا متضاد لفظ شکر گزاری ہے۔ اور کفر باللہ کا متضاد ایمان ہے۔ ایمان کو ضائع کرنے والے کو کافر اس لیے کہتے ہیں کہ وہ اللہ کے حقوق کو ضائع کرتا ہے اور اللہ کی نعمتوں پر اس کی شکر گزاری جو اس پر فرض تھی، اس کی پروا نہیں کرتا تو گویا وہ اللہ کی نعمتوں کا انکار کرتا ہے۔ شرک کا اصل متضاد ہے 'اخلاص'؛ لیکن جب شرک کا لفظ ہر کفر کے لیے استعمال ہونے لگا تو پھر 'ایمان' اس کا متضاد بن گیا۔^(۱)

کفر کی اقسام: کفر اکبر اور کفر اصغر

اہل علم نے کفر کو دو بڑی قسموں میں تقسیم کیا ہے یعنی کفر اکبر اور کفر اصغر۔ کفر اکبر سے مراد کفر کی وہ صورت ہے جس کا مرتکب دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، اس لیے اس صورت کو مخرج من الملة کفر بھی کہتے ہیں اور اسے ناقض ایمان (یعنی ایمان کو توڑ دینے والا) بھی کہتے ہیں۔ اس میں شرک، اعتقادی نفاق، دین سے استہزاء، نبی کریم ﷺ سے طنز و تشنیع وغیرہ شامل ہیں۔ اعاذنا اللہ منها اجمعین! اور دوسری قسم وہ ہے جو دائرہ اسلام سے خارج تو نہیں کرتی مگر اس کا مرتکب گنہگار کہلاتا ہے۔ اس میں قتل، لڑائی جھگڑا، خیانت، گالی گلوچ اور اس جیسے کئی ایک گناہ شامل ہیں۔ جن احادیث میں ان گناہوں پر کفر یا نفاق کا لفظ بولا گیا ہے، ان میں کفر اور نفاق سے کفر اصغر اور نفاق اصغر ہی مراد لیا گیا ہے۔

نوعیت اور کیفیت کے لحاظ سے کفر اکبر کی اقسام

نوعیت کے لحاظ سے کفر اکبر کی عام طور پر تین صورتیں ہوتی ہیں:

- ۱۔ وہ جو اعتقاد (عقیدہ) سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس قسم کو اعتقادی مکفرات یا اعتقادی نواقض کہتے ہیں۔
 - ۲۔ وہ جو قول سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس قسم کو قولی مکفرات یا قولی نواقض کہتے ہیں۔
 - ۳۔ اور وہ جو عمل سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس قسم کو عملی مکفرات یا عملی نواقض کہتے ہیں۔
- کیفیت کے لحاظ سے کفر اکبر کی عام طور پر چار صورتیں ہوتی ہیں:

- ۱۔ اگر کوئی شخص حق معلوم ہو جانے کے باوجود کفر کی راہ اختیار کرتا ہے، تو کفر کی اس صورت کو اہل علم کفر عناد یا کفر استکبار کہتے ہیں۔
- ۲۔ اور اگر حق کا علم ہو، نہ ہو مگر پھر بھی بغیر علم ہی کوئی حق کا انکار کرے اور حق کو سمجھنے کے لیے آمادہ ہی نہ ہو تو اس کے کفر کو ارتکذیب اور کفر جہل کہا جاتا ہے۔
- ۳۔ اگر حق کا علم ہو مگر اسے چھپا کر کوئی حق کا انکار کرے تو اس کے کفر کو کفر جھوڈ کہا جاتا ہے۔
- ۴۔ اور اگر منافقت کے پیش نظر حق کو چھپایا جائے تو اسے کفر نفاق کہا جاتا ہے۔



انسان کو کافر بنانے والی چیزیں (یعنی مکفرات)

یہاں ہم ان چیزوں کو بیان کریں گے جن کے ارتکاب سے ایک مومن شخص دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ ایسی تمام چیزیں بنیادی طور پر کفر (یعنی کفر اکبر) کہلاتی ہیں کیونکہ یہ چیزیں ایمان کی ضد ہیں اور ایمان کی ضد ہی کا دوسرا نام کفر ہے۔ اور اس کفر میں شرک، اعتقادی نفاق، دین و شریعت سے استہزا و مذاق وغیرہ سب شامل ہیں کیونکہ یہ سب کفر کی اقسام ہیں جیسا کہ پیچھے بیان ہوا ہے۔

کفر اکبر کی بعض صورتیں قلبی اعتقاد (نظریہ و عقیدہ) سے تعلق رکھتی ہیں، بعض قول سے اور بعض عمل سے۔ آئندہ طور میں ہم اسی ترتیب کے ساتھ ان چیزوں کو بیان کریں گے اور ان کے لیے 'مکفرات' کا لفظ استعمال کریں گے جس کا معنی ہے 'کافر بنادینے والی چیزیں'۔ بعض اہل علم نے ان کے لیے 'نواقض ایمان' کی اصطلاح بھی استعمال کی ہے جس کا مطلب ہے: 'ایمان کو توڑ دینے، ختم کر دینے اور ضائع کر دینے والی چیزیں'۔

ایمان کو ختم کر دینے والی کفریہ چیزیں تین طرح کی ہیں:

۱۔ وہ جو اعتقاد (عقیدہ) سے تعلق رکھتی ہیں۔

۲۔ وہ جو قول سے تعلق رکھتی ہیں۔

۳۔ اور وہ جو عمل سے تعلق رکھتی ہیں۔

پہلی قسم کو اعتقادی مکفرات یا اعتقادی نواقض کہتے ہیں۔

دوسری قسم کو قولی مکفرات یا قولی نواقض کہتے ہیں۔

اور تیسری قسم کو عملی مکفرات یا عملی نواقض کہتے ہیں۔

اب آئندہ صفحات میں بالترتیب ان سب کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

[1]..... اعتقادی مکفرات اور اعتقادی نواقض

اعتقادی مکفرات سے مراد ہر وہ عقیدہ ہے جو یا تو ایمان کے بنیادی ارکان میں سے کسی رکن کی صاف نفی و انکار پر مبنی ہو یا پھر اس چیز کے منافی اور متضاد ہو جو اسلامی عقائد میں قطعی، یقینی و بدیہی (یعنی بالکل واضح) طور پر مستند و محکم اور بقول جمہور متواتر دلائل سے ثابت ہو۔ آئندہ سطور میں اس کی تفصیلات ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ اللہ کے بارے میں کفر اعتقادی

اللہ کے بارے میں کفر اعتقادی کی بڑی اور بنیادی صورتیں یہ ہیں کہ

۱۔ اللہ کا وجود ہی تسلیم نہ کیا جائے۔

۲۔ یا وجود باری تعالیٰ تسلیم تو کیا جائے مگر اس طرح اور ان صفات و افعال کے ساتھ نہیں جیسے قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے۔ گویا اللہ کی صفات و افعال کا انکار کفر ہے۔

۳۔ یا اللہ کے ساتھ شرک کیا جائے۔ یہ شرک خواہ اس کی ذات میں ہو، صفات میں ہو یا عبادات میں۔ اب بالترتیب ان تینوں نکاتوں کی تفصیل ملاحظہ کریں۔

۱۔ وجود باری تعالیٰ کا انکار

اللہ کے رب ہونے، یا اللہ معبود ہونے یا قرآن و سنت میں یہ بیان کی گئی صفات ربوبیت سے متصف ہونے کو تسلیم نہ کرنا اعتقادی کفر کی ایک صورت ہے یعنی اگر کوئی شخص یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ..... ”اس کائنات کا کوئی خالق حقیقی (اللہ) نہیں ہے، بلکہ یہ سب کچھ خود بخود وجود میں آیا اور خود بخود چل رہا ہے“..... تو یہ کفر یہ عقیدہ ہے۔

دنیا میں ایسے مذاہب بہت کم ہوئے ہیں جو ایک بڑے معبود (الہ) یا دوسرے لفظوں میں خدا کے منکر ہوں۔ عصر حاضر میں روس کے کیمونسٹوں کو منکرین خدا کی مثال کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح

ماضی کی تاریخ میں بھی منکرین خدا کا کہیں کہیں وجود ملتا ہے۔ قرآن مجید میں ایسے لوگوں کو دہریہ کہا گیا ہے مگر مجموعی طور پر انسانیت ہمیشہ خدا کے تصور کی قائل رہی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ایک خدا کو ماننے کے باوجود اس کے خدائی حقوق میں دوسروں کو شریک کرنا یا اس کی صفات کا غیر اللہ پر انطباق کرنا یا اس کی شان کے منافی تصورات قائم کرنا بھی انسانی تاریخ میں معمول رہا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے کسی ثابت شدہ صفت کا انکار

اللہ تعالیٰ کے بارے میں کفر اعتقادی کی دوسری صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت علم یا صفت قدرت یا دیگر قطعی ثابت شدہ صفات میں سے کسی صفت کا انکار کیا جائے۔ یا اللہ تعالیٰ کے افعال میں سے کسی فعل کا انکار کیا جائے۔ خواہ کلی طور پر ایسا کیا جائے یا جزوی طور پر۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک

کفر اعتقادی ہی کی ایک صورت یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ اس کی ذات، عبادت یا صفات میں شرک کیا جائے یعنی اگر ایک شخص اللہ کے کائنات کا خالق و مالک (رب) ہونا تو تسلیم کرتا ہو مگر اللہ کی وحدانیت، الوہیت، قدرت اور صفات کو اس طرح تسلیم نہ کرتا ہو جس طرح قرآن و سنت میں واضح اور دو ٹوک انداز میں بیان کیا گیا ہے بلکہ اس بارے میں اس کے عقائد و نظریات قرآن و سنت کے صاف منافی اور شرک پر مبنی ہوں تو وہ کفر یہ عقائد کہلائیں گے مثلاً اللہ کو ایک کی بجائے تین سمجھنا، اللہ کو یکتا سمجھنے کی بجائے صاحب اولاد سمجھنا، اللہ کی عبادت میں غیر اللہ کو شریک بنانا۔ یہ عقائد شرکیہ بھی ہیں، اس لیے کہ ان میں غیر اللہ کو اللہ کی ذات یا عبادت میں شریک کیا جاتا ہے اور انہیں کفر یہ عقائد بھی کہا جاتا ہے اس لیے کہ یہ ایمان کے منافی اور متضاد عقائد ہیں اور ہر وہ چیز کفر کہلاتی ہے جو ایمان کی ضد ہو۔ خواہ وہ شرک ہو، یا نفاق یا کچھ اور۔

اللہ کی ذات میں شرک

قرآن مجید میں دو ٹوک انداز میں یہ بات بیان کر دی گئی ہے کہ اللہ ایک ہے۔ اس کی ذات میں کوئی اور اس کے ساتھ شریک نہیں ہے۔ نہ اس کی بیوی ہے اور نہ اولاد۔ وہ تنہا اس ساری کائنات کا خالق و مالک اور مدبر و منتظم ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص اس کی بجائے یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ اکیلا نہیں بلکہ اس کی اولاد بھی ہے یا یہ عقیدہ رکھے کہ اس کی ذات کے مختلف حصے اور جز ہیں تو یہ سب شرکیہ عقائد ہیں اور ایمان کے منافی ہونے

کی وجہ سے ان عقائد کو کفریہ عقائد قرار دیا جائے گا جیسا کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے اللہ کی اولاد کا عقیدہ اختیار کیا تو قرآن مجید میں ان کے اس عقیدے کو کفر اور شرک سے تعبیر کیا گیا مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۱) ﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ وَقَالَ الْمَسِيحُ بَنِي إِسْرَائِيلَ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَلَاثَةٌ تَلَاوِيهِ وَمِمَّنْ إِلَهٌ إِلَّا إِلَهُ وَاحِدٌ﴾ [سورة المائدة: ۷۲، ۷۳]

”بے شک وہ لوگ کافر ہو گئے جن کا قولا ہے کہ مسیح ابن مریم ہی اللہ ہے حالانکہ خود مسیح نے ان سے کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل! اللہ ہی کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا سب کا رب ہے، یقین مانو کہ جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے، اس کا ٹھکانہ جہنم ہی ہے اور گنہگاروں کی مدد کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔ تحقیق وہ لوگ بھی کافر ہو گئے جنہوں نے کہا کہ اللہ تین میں کا تیسرا ہے، دراصل اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔“

(۲) ﴿مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدْقَةٌ كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ انظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْآيَاتِ ثُمَّ انظُرْ أَنَّى يُؤْفَكُونَ﴾ [سورة المائدة: ۷۵]

”مسیح ابن مریم سوائے ایک پیغمبر ہونے کے اور کچھ بھی نہیں، اس سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر ہو چکے ہیں۔ ان کی والدہ ایک راست باز عورت تھیں۔ دونوں ماں بیٹا کھانا کھایا کرتے تھے۔ آپ دیکھیے کہ کس طرح ہم ان کے سامنے دلیلیں رکھتے ہیں پھر غور کیجیے کہ کس طرح وہ پھرے جاتے ہیں۔“

(۳) ﴿يَاهُلَّ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلَّمْتَهُ الْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِنْهُ فَآمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةً انْتَهُوا خَيْرًا لَكُمْ إِنَّمَا اللَّهُ إِلَهُ وَاحِدٌ سُبْحَانَهُ أَنْ يَكُونَ لَهُ وَلَدٌ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَكَفَى بِاللَّهِ وَكِيلًا﴾ [سورة النساء: ۱۷۱]

”اے اہل کتاب! اپنے دین کے بارے میں حد سے نہ گزر جاؤ اور اللہ پر سوائے حق کے اور کچھ نہ کہو۔ مسیح عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) تو صرف اللہ تعالیٰ کے رسول اور اس کا حکم ہیں، جسے مریم (علیہا

السلام) کی طرف ڈال دیا تھا اور اس کے پاس کی روح ہیں اس لیے تم اللہ کو اور اس کے سب رسولوں کو مانو اور یہ نہ کہو کہ اللہ تین ہیں، اس سے باز آ جاؤ (اسی میں) تمہارے لیے بہتری ہے۔ عبادت کے لائق تو صرف ایک اللہ ہی ہے اور وہ اس سے پاک ہے کہ اس کی اولاد ہو، اسی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اللہ کافی ہے کام بنانے والا۔“

(۴) ﴿ وَقَالَتِ الْيَهُودُ عِزِّيْرُنْ اِبْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيْحُ اِبْنُ اللّٰهِ ذَلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِيُوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنَّى يُؤْفِكُوْنَ اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحِ اِبْنِ مَرْيَمَ وَمَا امْرُؤًا اِلَّا لِيَعْبُدُوْا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴾ [سورة التوبة: ۳۰، ۳۱]

”یہود کہتے ہیں عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصرانی کہتے ہیں کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔ یہ قول صرف ان کے منہ کی بات ہے۔ اگلے منکروں کی بات کی یہ بھی نقل کرنے لگے، اللہ انہیں عارت کرے، وہ کیسے پلٹائے جاتے ہیں۔ ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو رب بنا لیا ہے اور مریم کے بیٹے مسیح کو بھی۔ حالانکہ انہیں صرف ایک اللہ ہی کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ پاک ہے ان کے شریک مقرر کرنے سے۔“

اللہ تعالیٰ کی صفات اور افعال میں شرک

جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات میں کسی کو اس کے مثل سمجھنا، یا اس کی اولاد سمجھنا یا اس کی ذات کا حصہ سمجھنا شرک ہے، اسی طرح اس کی صفات میں سے کسی صفت میں کسی اور کو اس کے مثل سمجھنا، یا اس کے ساتھ برابر شریک سمجھنا بھی شرک ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کے پاس تقدیر (لوح محفوظ) کا علم ہے اور وہی اچھی یا بری تقدیر کے بارے میں پہلے سے سب کچھ جانتا ہے، اب اگر کوئی شخص غیر اللہ کے لیے یہی صفت ثابت کرے تو یہ شرک ہے۔

اسی طرح اللہ کو از خود غیب کا پورا علم ہے، لیکن اگر کوئی شخص مخلوق کے بارے میں یہ عقیدہ رکھے کہ اسے بھی غیب کا بالکل ویسے ہی اور اتنا ہی علم ہے جیسے اور جتنا اللہ کو ہے تو یہ شرک ہے۔

انسانی معاشرے میں ہمیشہ سے ایسے لوگ موجود رہے ہیں جو غیب کا دعویٰ کرتے ہیں، حالانکہ غیب تو اللہ

کے علاوہ کوئی نہیں جانتا تاہم جنات و شیاطین کے ذریعے یہ لوگ بعض اوقات ایسی باتیں معلوم کر لیتے ہیں جو دیگر انسانوں کے علم میں نہیں ہوتیں اور بعض اوقات یہ ظن و تخمین اور انکل پچوؤں اور اندازوں سے کام چلاتے ہیں۔ ان لوگوں کو کاہن اور جادوگر بھی کہا جاتا ہے۔ ایسا کام خود کرنا یا ایسے لوگوں کے پاس ان کی حمایت و تصدیق کے لیے جانایا جنات و شیاطین سے تعلقات پیدا کرنے کے لیے جادو وغیرہ سیکھنا سخت منع ہے، بلکہ بعض احادیث میں ان چیزوں کو کفر بھی قرار دیا گیا ہے۔ جمہور اہل علم اس سے کفر اصغر مراد لیتے ہیں، نہ کہ کفر اکبر۔ اور بعض اہل علم کی رائے یہ ہے کہ انہیں کفر اس لیے کہا گیا ہے کیونکہ یہ چیزیں کفر اکبر کی طرف لے جاتی اور اس کے لیے دروازے اور راستے (Gateway) کا کام کرتی ہیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صفت قدرت کا کمال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کائنات میں جب، جیسے اور جو چاہے کر سکتا ہے۔ اب یہی صفت اگر کوئی شخص غیر اللہ میں بھی تسلیم کرے کہ فلاں شخص بھی یہی قدرت رکھتا ہے تو یہ شرک ہے۔

اللہ تعالیٰ کی اس صفت قدرت کو قرآن و حدیث میں جگہ جگہ بیان کیا گیا ہے مثلاً ذیل میں اس حوالے سے دو حدیثیں ملاحظہ کریں جن میں نبی کریم ﷺ نے خود اللہ تعالیٰ کی اس صفت قدرت کو بڑے واضح انداز میں بیان کیا ہے:

۱۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کے پیچھے نماز پڑھتے ہوئے آپ ﷺ کو یہ دعا کرتے سنا ہے:

((لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ اللَّهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَبَلِ مِنْكَ الْجَبَلُ))

”اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ اے اللہ! جو تو دینا چاہے اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جو تو روکنا چاہے اسے کوئی دینے والا نہیں اور تیرے سامنے کسی بڑے کی بڑائی (یا دولت والے کی دولت) اسے کوئی فائدہ نہیں دے سکتی۔“^(۱)

۲۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا:

۱۔ بخاری، کتاب القدر، باب لا مانع لما اعطى الله، ح ۶۶۱۰۔

((يَا غَلَامُ! اِنْسَى اَعْلَمُكَ كَلِمَاتٍ: اِحْفَظِ اللّٰهَ يَحْفَظْكَ، اِحْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ تَجَاهَكَ، اِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللّٰهَ وَاِذَا سْتَعْنَيْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ، وَاَعْلَمَنَّ اِنَّ الْاُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلٰى اَنْ يَنْفَعُوْكَ بِشَيْءٍ لَّمْ يَنْفَعُوْكَ اِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ لَكَ وَاِنْ اجْتَمَعُوا عَلٰى اَنْ يَضُرُّوْكَ بِشَيْءٍ لَّمْ يَضُرُّوْكَ اِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ، رُفِعَتِ الْاَقْلَامُ وَوَجِّهَتِ الصُّحُفُ))^(۱)

”اے لڑکے! میں تمہیں کچھ باتیں بتاتا ہوں (انہیں نوٹ کر لو) اللہ کو یاد رکھو، اللہ تمہیں یاد رکھے گا۔ اللہ کو یاد رکھو گے تو تم (مشکل میں) اللہ کو اپنے سامنے پاؤ گے۔ جب بھی سوال کرو، اللہ ہی سے کرو۔ اور جب بھی مدد مانگو، اللہ ہی سے مدد مانگو۔ اور یاد رکھو کہ اگر ساری امت کے لوگ اس بات پر جمع ہو جائیں کہ تمہیں کوئی فائدہ پہنچانا ہے تو وہ تمہیں صرف اتنا ہی فائدہ پہنچا سکتے ہیں جو تمہارے نصیب میں (پہلے سے) لکھا ہوا ہے (اس سے زیادہ نہیں) اور اگر ساری امت کے لوگ اس بات پر جمع ہو جائیں کہ تمہیں کوئی نقصان پہنچانا ہے تو وہ صرف اتنا ہی نقصان تمہیں پہنچا سکتے ہیں جو پہلے سے تمہارے مقدر میں لکھا ہے۔ (تقدیر لکھنے والے) قلم اٹھا لیے گئے ہیں اور صحیفے (جن میں تقدیر لکھی گئی ہے) خشک ہو چکے ہیں (یعنی اب ان میں مزید کچھ کمی بیشی نہ ہوگی)۔“

اللہ کی عبادت میں شریک

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے صاف حکم دیا ہے کہ اسی اللہ کی عبادت کی جائے اور اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنایا جائے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالذِّينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴾ [سورة البقرة: ۲۱، ۲۲]

”اے لوگو! اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا، یہی تمہارا بچاؤ ہے۔ اور جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی اتار کر اس سے پھل پیدا کر کے تمہیں روزی دی، خبردار! باوجود جاننے کے اللہ کے شریک مقرر نہ کرو۔“

۱۔ ترمذی، کتاب صفہ القیامۃ، باب حدیث حنظلۃ، ح- ۲۵۱۶۔ مسند احمد، ج- ۲ ص ۲۹۳۔

اللہ کی عبادت میں شرک یہ ہے کہ عبادت کی اقسام میں سے کسی قسم کو غیر اللہ کے لیے بجالایا جائے۔ عبادت عربی زبان کا لفظ ہے جس کی اصل [مادہ] عبد (یعنی ع۔ ب۔ د) ہے۔ عبادت کا معنی ہے انتہا درجہ کی عاجزی، انکساری، تابعداری و فرمانبرداری اور غلامی، جبکہ عبد کا معنی ہے بندہ اور غلام۔ بندہ چونکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے اس لیے اسے عابد اور اللہ کو معبود کہا جاتا ہے، اسی طرح ایک لفظ عبودیت ہے، اس کا معنی و مفہوم بھی قریب قریب وہی ہے جو لفظ عبادت کا ہے۔ امام راغب اصفہانی اپنی شہرہ آفاق کتاب مفردات القرآن میں رقم طراز ہیں کہ

”العبودية کے معنی ہیں کسی کے سامنے ذلت اور انکساری ظاہر کرنا مگر العبادة کا لفظ انتہائی درجہ کی ذلت اور انکساری ظاہر کرنے پر بولا جاتا ہے، اس سے ثابت ہوا کہ معنوی اعتبار سے العبادة کا لفظ العبودية سے زیادہ یلغ ہے لہذا عبادت کی مستحق بھی وہی ذات ہو سکتی ہے جو بے حد صاحب افضال و انعام ہو اور ایسی ذات صرف ذات الہی ہے اسی لیے فرمایا: ﴿لَا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ﴾ (۱-۳۳) کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔“ [مفردات القرآن“ (ج ۲، ص ۶۶۲، ۶۶۳)]

اللہ تعالیٰ کی عبادت کا معنی یہ ہے کہ بندہ (عبد انسان) اللہ تعالیٰ ہی کو اپنا حقیقی آقا و مالک تسلیم کرتے ہوئے اس کی اس طرح غلامی و فرمانبرداری کرے جس طرح کہ اس کی غلامی و فرمانبرداری کرنے کا حق ہے۔ یہ حق کیسے ادا کیا جاسکتا ہے یا اس حق کی ادائیگی کے کیا لوازمات ہو سکتے ہیں اس کے لیے عہد نبویؐ کے عرب معاشرہ کے آقا و غلام کے تعلق کو سامنے لایا جائے تو اس بات کو بخوبی سمجھا جاسکتا ہے۔ اس دور میں غلام یہ سمجھا کرتا تھا کہ میرا آقا چونکہ میری زندگی، موت، رزق، رہائش اور دیگر وسائل و ضروریات کا مالک ہے، چاہے تو مجھے اچھے طریقے سے رکھے اور چاہے تو ظلم کرے یا بیچ ڈالے، اس لیے مجھے اپنے آقا ہی کو خوش رکھنا ہے، اسی کی فرمانبرداری کرنا ہے، جب تک اس کے پاس میری قسمت ہے تب تک اسی کا وفادار رہنا ہے، ہر آن اسی کی خدمت بجالانا ہے اور اس کی مرضی و منشا کے خلاف کوئی اقدام نہیں کرنا، حد درجہ اس کا ادب و احترام کرنا ہے اور اس کی تعظیم و تقدیس کے منافی نہ کوئی قدم اٹھانا ہے نہ زبان سے کوئی ایسی بات کہنی ہے جو اس کے شایان شان نہیں اور نہ ہی کوئی ایسی بات برداشت کرنا ہے جو میرے آقا کی عظمت کو مجروح کرے۔

اس پس منظر میں جب ہم اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ان آیات کا مطالعہ کرتے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے

عبادت کا حکم دیا ہے تو اس سے عبادت و بندگی کا یہی مفہوم سامنے آتا ہے کہ اپنے آپ کو اللہ ہی کے سپرد کیا جائے، اسی کا حکم واجب الاتباع سمجھا جائے اور ہر حکم پر اس کے حکم کو ترجیح دی جائے۔ نہ اس کی حکم عدولی کی جائے اور نہ اس کی نافرمانی کو برداشت کیا جائے۔ اگر اس کا حکم ہو کہ فلاں اوقات میں میرے لیے نماز (رکوع و سجود) ادا کرو تو نماز ادا کی جائے۔ اگر اس کا حکم ہو کہ فلاں ایام میں میرے لیے روزے رکھو تو ان ایام میں روزے رکھے جائیں۔ اگر اس کا حکم ہو کہ فلاں حالات میں میرے دشمنوں کے خلاف جہاد کرو تو جہاد کیا جائے۔ اگر اس کا حکم ہو کہ بیچ بولو جھوٹ نہ بولو، انصاف کرو بے انصافی نہ کرو، پورا تو لو کمی نہ کرو، عدل کرو ظلم نہ کرو، نیکی کرو بدی نہ کرو..... تو اس کا حکم سمجھتے ہوئے ایسا ہی کیا جائے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کے امر و حکم، اس کے ادب و احترام اور اس کے مقام و مرتبہ کو دل کی گہرائیوں سے تسلیم کیا جائے، یہی اس کی عبادت ہے۔

عبادت کی بنیادی طور پر تین ہی قسمیں ہیں یعنی زبانی عبادات، مالی عبادات اور بدنی عبادات۔ لہذا زبان، مال اور جسم و جان سے تعلق رکھنے والی تمام عبادات صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لیے بجالانی چاہئیں۔ یہی وہ توحید (توحید عبادت / توحید الوہیت) ہے جس کا قرآن مجید میں جگہ جگہ مطالبہ کیا گیا ہے۔

زبانی عبادات میں دعا، پکار، نداء، فریاد، استغاثہ (مدد مانگنا)، استعاذہ (پناہ مانگنا)، رضا طلب کرنا اور ذکر و حمد وغیرہ شامل ہیں۔

جسمانی و بدنی عبادات میں وہ تمام عبادات شامل ہیں جن کا تعلق کسی نہ کسی پہلو سے دل یا جسم کے ساتھ ہے مثلاً ایمان و یقین، محبت و خشیت، رجاء و رغبت، توکل و انابت وغیرہ۔ ان کا تعلق دل سے ہے جب کہ نماز و قیام، رکوع و سجود، طواف و اعتکاف، حج و زوزہ وغیرہ دیگر جسمانی اعضاء سے تعلق رکھنے والی عبادات ہیں۔ اور مالی عبادات میں نذر و نیاز، صدقہ و خیرات اور قربانی وغیرہ شامل ہے۔

شُرک کی مذمت کے دلائل

اب اس سلسلہ میں چند ایک وہ آیات ملاحظہ فرمائیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شرک ایمان کی ضد اور ایک ناقابل معافی جرم ہے اور شرک کرنے والا ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا﴾ [سورة النساء: ۱۱۶]

”یقیناً اللہ تعالیٰ ہرگز نہ بخشنے گا کہ اس کے ساتھ شریک مقرر کیا جائے، ہاں وہ (اللہ) شرک کے علاوہ گناہ، جس کے چاہے معاف فرما دیتا ہے اور اللہ کے ساتھ شرک کرنے والا بہت دور کی گمراہی میں جا پڑا۔“

﴿إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ﴾ [سورة المائدة ۷۳، ۷۲]

”بے شک جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے، اس کا ٹھکانہ جہنم ہی ہے اور گنہگاروں کی مدد کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔“

مسلمانوں میں اس بات پر کبھی اختلاف نہیں رہا کہ شرک ایمان کی ضد ہے اور شرک پکا کافر ہے اور اگر وہ بغیر توبہ کیے شرک ہی کی حالت میں مر گیا تو اللہ کے پاں اس کا کوئی عمل قبول نہیں ہوگا۔ البتہ کون سی چیز شرک ہے اور کون سی نہیں، اس حوالے سے بعض چیزوں کی تعیین اور حد بندی کے سلسلہ میں دلائل کی بنیاد پر اہل علم میں اختلاف پایا جاتا ہے مثلاً غیر اللہ کو سجدہ کرنا شرک ہے یا گناہ کبیرہ، دعائیں نبیوں کا وسیلہ پیش کرنا شرک ہے یا بدعت، یا مستحب و مستحسن۔ اللہ کے علاوہ نبیوں کو بھی غیب کا علم ہوتا ہے یا نہیں؟

یہ بحث تاویل کے دائرہ میں چلی جاتی ہے اور اس سلسلہ میں تکفیر کے ان ضابطوں اور موانع کو مد نظر رکھا جائے گا جو تاویل کے بارے میں علماء اہل سنت نے بیان کیے ہیں۔ ان کی تفصیل آگے آئے گی۔

شرک اصغر؛ ریا کاری

گزشتہ صفحات میں جتنی بحث ہوئی ہے، یہ شرک اکبر کے حوالے سے تھی۔ شرک اکبر سے مراد شرک کی ہر وہ صورت ہے جس کا مرتکب دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے بشرطیکہ تکفیر کے ضوابط پورے ہوں۔ اس کے علاوہ شرک کی ایک صورت وہ ہے جس کا مرتکب دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا البتہ جس عمل میں یہ شرک پایا جائے، اس عمل کا اجر و ثواب ضائع ہو جاتا ہے۔ اس صورت کو شرک اصغر یا ’ریا کاری‘ کہا جاتا ہے۔

شُرک اکبر اور شرک اصغر یعنی ریا کاری میں کیا فرق ہے؟ اس سلسلہ میں حافظ حکیمی نے اپنی کتاب 'معارج القبول' میں بڑی اچھی وضاحت کی ہے، آپ لکھتے ہیں:

”ریا کاری کو قرآن مجید میں بہت سی جگہ پر مطلق انداز میں بیان کیا گیا ہے اور کبھی اس سے نفاق اکبر بھی مراد لیا گیا ہے کہ جس کا مرتکب جہنم کے سب سے نچلے درجے میں ہوگا..... ریا کاری کی وہ صورت جسے قرآن میں نفاق اکبر کہا گیا ہے اور وہ صورت جسے نبی کریم ﷺ نے شرک اصغر کہا گیا ہے، ان دونوں میں فرق اس حدیث کی بنیاد پر کیا جاسکتا ہے جس میں ہے کہ ”عملوں کا دار و مدار نیتوں پر ہے“۔

اگر ایک شخص کوئی عمل کرے جس کا محرک (بنیاد) اللہ کی رضا اور دارِ آخرت کی بہتری ہو، اور اس عمل میں دکھلاوا (ریا کاری) بھی نہ ہو اور وہ شریعت کے مطابق بھی ہو تو یہ مقبول عمل صالح ہے۔

اور اگر ایک شخص غیر اللہ کی رضا کے لیے کوئی عمل کرے تو یہ نفاق اکبر ہے، خواہ اس عمل کا محرک دنیاوی جاہ و شہرت اور مقام و منصب کا حصول ہو یا کسی کامال و جان وغیرہ کا نقصان مطلوب ہو۔

یہ دونوں صورتیں (یعنی اللہ کی رضا اور غیر اللہ کی رضا) ایک دوسرے کی ضد ہیں..... اور اگر کوئی شخص اللہ کی رضا اور آخرت کی بہتری کی نیت سے کوئی عمل کرے مگر اس عمل کو مزین کرنے اور اچھا بنانے کے لیے ریا کاری کی سوچ اس کے ذہن میں آجائے تو پھر یہی وہ حالت ہے جسے نبی کریم ﷺ نے شرک اصغر کہا ہے۔..... یہ شرک (اصغر) انسان کو دین سے خارج نہیں کرتا، البتہ جس عمل میں یہ آجائے اس کا ثواب متاثر ہو جاتا ہے اور اگر یہ (شرک اصغر ریا کاری) اس عمل پر پوری طرح غالب آجائے تو اس سے پورا عمل ہی ضائع ہو جاتا ہے، معاذ اللہ!“^(۱)



۱۔ معارج القبول شرح سلم الوصول الی علم الاصول، للحکمی، ج ۱، ص ۴۵۳، ۴۵۴۔

۲۔ نبیوں اور رسولوں کے بارے میں کفر اعتقادی

نبیوں اور رسولوں کے بارے میں کفر اعتقادی یہ ہے کہ

۱۔ اُن سچے نبیوں اور رسولوں میں سے کسی بھی نبی و رسول کی نبوت و رسالت کو دل سے تسلیم نہ کیا جائے جن کی نبوت و رسالت قطعی دلائل سے ثابت ہے، مثلاً جس طرح یہودی اور عیسائی حضرت محمد ﷺ کی نبوت و رسالت کو تسلیم نہیں کرتے۔

۲۔ یا اللہ کی طرف سے جس پیغام کو پہنچانے کی ذمہ داری نبیوں اور رسولوں کو سونپی گئی اور انہوں نے اپنی ذمہ داری پوری کرتے ہوئے وہ پیغام اپنی امتوں کے سامنے پیش کیا، اس پیغام کے برحق اور من جانب اللہ ہونے کا کلی یا جزوی طور پر انکار کرنا، جیسا کہ ان کے دور میں کافر لوگ کیا کرتے تھے۔

۳۔ یا نبی کریم ﷺ کے قیامت تک آنے والے تمام لوگوں کے لیے آخری نبی ہونے کا انکار کرنا۔ یا نبی کی ضرورت اور امکان کا عقیدہ رکھنا یا نبی کریم ﷺ کے بعد پیدا ہونے والے کسی شخص کو نبی و رسول سمجھنا۔

۴۔ اسی طرح حضور نبی کریم ﷺ سے دل میں بغض رکھنا یا آپ کی پسند سے نفرت کرنا بھی کفر اعتقادی میں شامل ہے۔

اب ان چیزوں کے دلائل ذیل میں ملاحظہ فرمائیں

۱۔ تمام سچے نبیوں کے بارے میں جملہ ایمان لانے کا قرآن مجید میں اس طرح ذکر کیا گیا ہے:

﴿لَيْسَ الْبِرُّ أَنْ تُولُوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ
الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ﴾ [سورة البقرة: ۱۷۷]

”ساری اچھائی مشرق و مغرب کی طرف منہ کرنے میں ہی نہیں بلکہ حقیقتاً اچھا وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ پر، قیامت کے دن پر، فرشتوں پر، کتاب اللہ (قرآن) پر اور نبیوں پر ایمان رکھنے والا ہو۔“

اسی طرح ایک اور آیت میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا﴾ [سورة النحل: ۳۶]

”بے شک ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا ہے۔“

۲۔ نبی کریم ﷺ کے نبی برحق ہونے کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح کیا گیا ہے:

(۱) ﴿مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ﴾ [سورة الفتح: ۲۹]

”محمد اللہ کے رسول ہیں۔“

(۲) ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ﴾ [سورة آل عمران: ۱۴۴]

”(حضرت) محمد صرف رسول ہی ہیں، ان سے پہلے (بھی) بہت سے رسول ہو چکے ہیں۔“

(۳) ﴿وَأَرْسَلْنَاكَ لِلنَّاسِ رَسُولًا﴾ [سورة النساء: ۸۹]

”اور ہم نے آپ (محمد) کو تمام لوگوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے۔“

۳۔ آپ ﷺ کے خاتم النبیین (یعنی آخری نبی) ہونے کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح کیا گیا ہے:

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ﴾ [الاحزاب: ۴۰]

”محمد (ﷺ) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، مگر وہ اللہ کے رسول اور نبیوں کو ختم کرنے والے ہیں۔“

نبی کریم ﷺ کے نبی برحق ہونے اور خاتم النبیین ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ جو دین اللہ کی طرف سے لائے ہیں، خواہ وہ قرآن ہو یا سنت، اسے برحق مانا جائے اور قیامت تک کے لیے اسے خدائی قانون کے درجہ میں رکھ کر اس پر عمل ضروری سمجھا جائے۔ اگر کوئی شخص نبی کریم کے لائے ہوئے دین میں سے کسی قطعی وثابت شدہ چیز کے انکار یا شک کا عقیدہ رکھتا ہے تو یہ کفر ہے۔

۴۔ اسی طرح آپ ﷺ سے دل و جان سے محبت کرنا بھی ایمان کا تقاضا ہے بلکہ یہ محبت ایسی ہونی چاہیے جو دنیا جہاں کی ہر چیز کی محبت سے بڑھ کر ہو جیسا کہ قرآن مجید میں کہا گیا ہے:

﴿الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْمُؤْمِنِينَ مِنْ نَفْسِهِمْ وَأَزْوَاجَهُمْ﴾ [سورة الاحزاب: ۶]

”بلاشبہ نبی تو اہل ایمان کے لیے اُن کی اپنی ذات پر مقدم ہے، اور نبی کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔“

حضرت عبد اللہ بن ہشام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ”ایک مرتبہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے جب کہ آپ

نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے، اے اللہ کے رسول! آپ مجھے میری جان کے علاوہ دنیا جہاں کی ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: نہیں، قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اس وقت تک نہیں جب تک میں تمہیں تمہاری جان سے بھی زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: تو پھر اللہ کی قسم! آپ اب مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: عمر اب بات بنی ہے!۔^(۱)



صحیح بخاری، کتاب الایمان والنذور، باب کیف کانت یمین النبی ﷺ، ح ۶۶۳۲۔

۳۔ اللہ کی منزل کردہ کتابوں کے بارے میں کفر اعتقادی

- اللہ کی منزل کردہ کتابوں کے بارے میں کفر اعتقادی یہ ہے کہ
- ۱۔ جن کتابوں کے بارے میں قرآن و سنت کے قطعی دلائل سے ثابت ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے منزل شدہ ہیں، انہیں سرے سے منزل شدہ تسلیم نہ کرنا۔
 - ۲۔ یا ان میں سے جن میں تحریف کا ثبوت خود قرآن نے دیا ہے، انہیں تحریف سے پاک سمجھنا۔
 - ۳۔ یا قرآن مجید کے مقابلہ میں کسی اور آسمانی کتاب اور صحیفے کو ترجیح دینا۔
 - ۴۔ یا قرآن مجید کی ایک آیت یا بعض آیات کا انکار کرنا، یا قرآن مجید کو ناقص اور محرف شدہ کتاب سمجھنا یا قرآن کے کسی حکم یا خبر پر ایمان نہ رکھنا۔
 - ۵۔ یا قرآن کی کسی حکم کے بارے میں دل میں کراہت اور بغض رکھنا۔

اب ان چیزوں کے دلائل ذیل میں ملاحظہ فرمائیں

۱۔ اللہ کی نازل کردہ کتابوں کے بارے میں یہ ماننا کہ وہ فی الواقع اللہ کی طرف سے نازل ہوئی تھیں، ایمان کہلاتا ہے اور اس سے انکار کرنا کفر ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي أَنْزَلَ مِن قَبْلُ وَمَنْ يُكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا﴾

”اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ پر اس کے رسول ﷺ پر، اس کی کتاب (قرآن) پر جو اس نے اپنے رسول پر اتاری ہے اور ہر اس کتاب پر جو اس (قرآن) سے پہلے اس نے نازل فرمائی ہے، ایمان لاؤ! جو شخص اللہ سے، اس کے فرشتوں سے، اس کی کتابوں سے، اس کے رسولوں سے اور قیامت کے دن سے کفر کرے وہ تو بہت بڑی دوری گزری میں جا پڑا“۔ [سورۃ النساء: ۱۳۶]

۲۔ اسی طرح قرآن مجید میں کئی مقامات پر یہ بات بیان کی گئی ہے کہ قرآن سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جو کتابیں نازل کی تھیں جیسے تورات و انجیل وغیرہ، ان میں لوگوں نے وقت کے ساتھ ساتھ تحریف کر لی

ہے اور اس طرح یہ اپنی اس اصلی شکل پر پوری طرح محفوظ نہیں رہیں جس پر اللہ کی طرف سے نازل ہوئی تھیں۔

۳۔ قرآن مجید کے مقابلہ میں کسی اور آسمانی کتاب اور صحیفہ کو ترجیح دینا کفر ہے، اس لیے کہ تمام کتب سماویہ میں حق کا معیار اب صرف اور صرف قرآن مجید ہے، گزشتہ کتابیں نہیں۔ کیونکہ جس طرح حضرت محمد ﷺ اللہ کے آخری رسول ہیں، اسی طرح آپ پر نازل ہونے والی کتاب قرآن مجید بھی اللہ کی آخری کتاب ہے۔ اب قیامت تک نہ کوئی نیا نبی اور رسول آئے گا اور نہ ہی کوئی نئی کتاب نازل کی جائے گی۔ اب اللہ کے رسول ﷺ کے فرامین اور قرآن مجید کی تعلیمات پر عمل کرنا ہی باعث نجات ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں دو ٹوک انداز میں یہ بات بیان کی گئی کہ جو کچھ محمد ﷺ پر نازل کیا گیا ہے، اب وہی حق ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأْمَنُوا بِمَا نَزَّلَ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ وَهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ﴾ [سورۃ محمد: ۲]

”اور جو لوگ اس چیز پر ایمان لائے جو محمد پر نازل کی گئی ہے، اور دراصل ان کے رب کی طرف سے (اب) سچا دین بھی وہی ہے۔“ (جو محمد پر نازل کیا گیا ہے)

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اللہ کے نبیوں پر جو دین نازل ہوتا وہی حق قرار پاتا مگر جب اللہ نے اپنے آخری نبی کو مبعوث فرمادیا تو پہلے نبیوں پر نازل ہونے والے دین و شریعت کی ضرورت کو ختم کر دیا بلکہ ایسے حالات پیدا فرمادے کہ سابقہ ادیان اپنی اصل شکل و صورت میں باقی ہی نہ رہے اور اس میں اللہ کی یہ حکمت کارفرما تھی کہ اب اس دین و شریعت کی پیروی کی جائے جو آخری پیغمبر پر آخری دین کی حیثیت سے نازل کیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں درج ذیل روایت میں جو کچھ بیان ہوا ہے، وہ بھی قابل غور ہے:

((عن جابر عن النبي ﷺ حِينَ آتَاهُ عُمَرُ فَقَالَ إِنَّا نَسْمَعُ أَحَادِيثَ مِنَ يَهُودٍ تُعْجِبُنَا أَفْتَرَىٰ أَنْ نَكْتُبَ بَعْضَهَا فَقَالَ: أَمْتَهُوْكُمْ أَنْتُمْ كَمَا تَهُوْكَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَىٰ جِئْتَكُمْ بِهَا بَيِّنَاتٍ نَبِيَّةٍ وَكُوكَانَ مَوْسَىٰ حَيًّا مَا وَسِعَهُ إِلَّا الْآبَتَاعِي))

”حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم یہودیوں سے (ان کے دین کی) باتیں سنتے ہیں، جو ہمیں اچھی لگتی ہیں۔ اگر آپ اجازت دیں تو ہم ان کی بعض باتیں لکھ لیا کریں؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا تم (اپنے دین کے

ساتھ) اس طرح لا پرواہی کرنا چاہتے ہو جس طرح یہود و نصاریٰ نے (اپنے دین کے بارے) لا پرواہی کا اظہار کیا تھا جبکہ میں تمہارے پاس ایک واضح اور صاف ستھری شریعت لے کر آیا ہوں۔ اگر آج موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو میری پیروی کیے بغیر ان کے لیے بھی کوئی چارہ کار نہ ہوتا۔“^(۱)

حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اللہ کے سچے رسول تھے مگر جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو اپنا آخری رسول بنا کر مبعوث فرمادیا تو آپ کے آنے کے بعد سابقہ تمام شریعتوں کی ضرورت کو ختم فرمادیا کیونکہ اللہ نے آپ کو ایک جامع اور کامل شریعت عطا فرمائی پھر تاقیامت اس کی حفاظت کی ذمہ داری بھی اٹھائی۔ اس لیے ہدایت و رہنمائی کے لیے ہمیں یہی شریعت کافی ہے، کسی اور دین و شریعت کی کوئی حاجت ہے نہ ضرورت۔ حضرت عمر کو تورات کی بعض باتیں حیران کن حد تک اچھی لگیں مگر یہ روایت تورات کے کسی اور ناظر کو تورات سے متاثر اور محمدی شریعت سے لا پرواہ کر سکتا تھا، اس لیے آپ نے اس معاملہ میں سختی کرتے ہوئے یہی بات ارشاد فرمائی کہ ”کیاتم (اپنے دین کے ساتھ) اس طرح لا پرواہی کرنا چاہتے ہو جس طرح یہود و نصاریٰ نے (اپنے دین کے بارے) لا پرواہی کا اظہار کیا تھا۔“ یعنی جب میں ایک شریعت لے کر تمہارے پاس آ گیا ہوں تو پھر ہدایت کے لیے تم کسی اور چیز کی طرف کیوں دیکھتے ہو.....!

پھر آپ سنی لائی ہوئی شریعت چونکہ کامل و مکمل اور آخری شریعت کی حیثیت رکھتی ہے، اس لیے آپ نے ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا: ”جبکہ میں تمہارے پاس ایک واضح اور صاف ستھری شریعت لے کر آیا ہوں۔“

پھر آپ نے اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ یہ بھی فرمایا کہ ”اگر آج موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو میری پیروی کیے بغیر ان کے لیے بھی کوئی چارہ کار نہ ہوتا۔“

۴۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو ہر قسم کے رد و بدل سے محفوظ رکھنے کی ذمہ داری اٹھائی ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ [سورة الحجر: ۹]

”ہم نے اس ذکر (قرآن رومی) کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت بھی کریں گے۔“

اس آیت میں ذکر سے مراد بعض اہل علم کے بقول قرآن مجید ہے اور بعض کے بقول وحی ہے۔ وحی ہونے کی صورت میں قرآن کے علاوہ حدیث بھی اس میں شامل سمجھی جائے گی۔ گویا دونوں صورتوں میں قرآن کی

۱۔ الحمد، ج ۳ ص ۸۳۔ سنن بیہقی، باب فی الايمان بالقرآن وسائر الكتب المنزلة، ج ۱ ص ۱۹۹، ح ۱۷۶۔

حفاظت کا انتظام اللہ کے طرف منسوب ہے۔ قرآن مجید کی حفاظت تو ظاہر ہے بندوں کے ذریعے ہوئی ہے مگر اس حفاظت کے لیے سازگار حالات پیدا کرنا اور بندوں کے لیے اسے محفوظ رکھنے کو ممکن العمل بنانا، یہ سب اللہ ہی کی مشیت سے ممکن ہوا۔ اللہ کی طرف سے قرآن کی حفاظت کرنے کا یہی مفہوم ہے۔

جب قرآن مجید اللہ کے نبی پر نازل ہوتا تو آپ اس خدشہ سے اسے فوراً دہرانے لگتے کہ ہمیں یہ بھول نہ جائے، مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسا کرنے سے روک دیا اور آپ کا یہ خدشہ دور کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿لَا تُحْرِكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَتَعَجَّلَ بِهِ إِنْ عَلَيْنَا جَمْعُهُ وَقُرْآنَهُ فَإِذَا قَرَأْتَهُ فَآتِ بِهُ قُرْآنَهُ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيِّنَاتِهِ﴾ [سورة القیمة: ۱۶ تا ۱۸]

” (اے نبی!) آپ قرآن کو جلدی (یا دکرنے) کے لیے اپنی زبان کو حرکت نہ دیں۔ اس کا جمع کرنا اور (آپ کی زبان سے) پڑھنا ہمارے ذمہ ہے۔ ہم جب اسے پڑھ لیں تو آپ اس کے پڑھنے کی پیروی کریں پھر اس کا واضح کر دینا بھی ہمارے ذمہ ہے۔“

یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے یہی بات ارشاد فرمائی کہ نبی کے سینہ میں قرآن محفوظ کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔ اس لیے قرآن مجید کے بارے میں بغیر کسی شک و شبہ کے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ یہ اپنی اسی اصلی شکل میں محفوظ ہے جس میں نازل ہوا تھا اور اس میں کسی قسم کی تحریف یا کمی بیشی نہیں ہوئی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ﴾ [سورة فصلت: ۴۲]

”یہ بڑی با وقعت کتاب ہے، جس کے پاس باطل پھٹک نہیں سکتا، نہ اس کے آگے سے اور نہ اس کے پیچھے سے۔ یہ حکمتوں والے، خوبیوں والے (اللہ) کی طرف سے نازل کردہ ہے۔“

۵۔ جہاں تک قرآن کے کسی حکم کے بارے میں دل میں کراہت اور بغض رکھنے کو کفر قرار دینے کی بات ہے، تو اس کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا فَتَعَسَا أَلَهُمْ وَأَضَلَّ أَعْمَالَهُمْ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَرِهُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ﴾ [سورة محمد: ۸، ۹]

”اور جو لوگ کافر ہوئے، وہ ہلاک ہوں، ان کے اعمال اللہ تعالیٰ ضائع کر دے گا اس لیے کہ وہ اللہ کی

نازل کردہ چیز سے ناخوش ہوئے۔“

یعنی کافروں کے اگر کوئی اچھے عمل ہوئے بھی تو اللہ انہیں ضائع کر دے گا، اس لیے کہ وہ اللہ کے نازل کردہ قرآن اور دین کے لیے دل میں بغض اور نفرت رکھتے تھے۔

قاضی عیاضؒ بیان فرماتے ہیں:

”جان لو کہ جس نے قرآن یا قرآنی صحف کے ساتھ استخفاف (بے حرمتی کا ارتکاب) کیا، یا قرآن کو گالی دی یا اس کا انکار کیا، خواہ ایک حرف اور ایک آیت ہی کا انکار ہو، یا قرآن کی (بیان کردہ) کسی چیز کو غلط کہا یا قرآن کے کسی حکم یا خبر کی تکذیب کی یا اس چیز کو ثابت مانا جس کی قرآن نفی کرتا ہے یا اس چیز کی نفی کی جس کا قرآن اثبات کرتا ہے، یا اس سلسلہ میں کسی چیز کے بارے میں شک کیا تو وہ اہل علم کے ہاں اجماعی طور پر کافر ہے۔“^(۱)



www.KitaboSunnat.com

الشفاء، للعباس، ج ۰۲ ص ۱۱۰۱۔

۴۔ اسلام کے بیان کردہ غیبی حقائق کے بارے میں کفر اعتقادی

قرآن و سنت کے بیان کردہ غیبی حقائق کے بارے میں کفر اعتقادی یہ ہے کہ انسان ان حقائق میں سے کسی حقیقت کو دل سے تسلیم نہ کرے جسے قرآن و سنت میں بڑے واضح اور دو ٹوک انداز میں بیان کیا گیا ہے، مثلاً ملائکہ (فرشتوں)، یا جنات و شیاطین کے وجود کو تسلیم نہ کرے۔ یا آخرت اور جنت و جہنم وغیرہ سے متعلقہ امور میں سے کسی بدیہی (یقینی اور واضح طور پر ثابت شدہ) چیز کو تسلیم نہ کرے۔ یا تقدیر کے اسلامی عقیدہ کو سرے سے تسلیم ہی نہ کرے۔ ان چیزوں کا انکار اس لیے کفر ہے کہ یہ قرآن و سنت کے قطعی دلائل (نصوص) کو تسلیم کرنے سے انکار کے مساوی ہے!

ان چیزوں کی تفصیلات کے لیے ہمارے تحریری سلسلہ اصلاح عقائد کی درج ذیل کتابوں کا مطالعہ مفید رہے گا:

انسان اور فرشتے [سلسلہ نمبر ۴]

انسان اور شیطان [سلسلہ نمبر ۵]

انسان اور جادو جنات [سلسلہ نمبر ۶]

انسان اور آخرت [سلسلہ نمبر ۷]



۵۔ احکام شریعت کے حوالے سے کفر اعتقادی

۱۔ حلال کو حرام اور حرام کو حلال سمجھنا

احکام شریعت کے حوالے سے کفر اعتقادی یہ ہے کہ انسان شریعت کے واجبات اور فرائض کو واجبات و فرائض تسلیم نہ کرے مثلاً ارکان اسلام جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج سب کو یا ان میں سے کسی بھی ایک چیز کو ضروری نہ سمجھے۔ اسی طرح اسلامی شریعت میں جس چیز کو واضح طور پر حلال کہا گیا ہے، اسے وہ حلال نہ مانے اور جسے قطعی طور پر حرام قرار دیا گیا ہے، اسے حرام ماننے سے انکار کرے، مثلاً ہندوؤں کی طرح حلال جانوروں کے گوشت کو حرام سمجھے، یا زنا، جوا، سود، شراب وغیرہ جیسی محرمات کو جائز اور حلال سمجھے۔ یہ سب چیزیں ایسے ہی ہیں جیسے کوئی شخص دین و شریعت کے احکام کو خدائی قانون ماننے کے لیے تیار نہیں اور ہر ایسے شخص کے بارے میں قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ صادر فرمایا ہے:

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ﴾ [سورة المائدة: ۴۴]

”اور جو لوگ اللہ کی اتاری ہوئی وحی کے ساتھ فیصلہ نہ کریں، وہ کافر ہیں۔“

امام نوویؒ بیان فرماتے ہیں کہ

”جو شخص دین اسلام کی کسی ایسی چیز کا انکار کرے جو بالکل واضح (ضروری) طور پر ثابت ہو تو ایسے شخص کے مرتد و کافر ہونے کا حکم لگایا جائے گا، البتہ اگر وہ ایسا شخص ہو جو نیا نیا مسلمان ہوا ہو یا (مسلمانوں کے علاقے سے) بہت دور کسی دیہات وغیرہ میں اس نے پرورش پائی ہو یا ایسی ہی کسی صورت سے دوچار ہو کہ اس کے لیے دین کی یہ ضروریات واضح نہ ہو سکی ہوں تو پھر کفر و ارتداد کا حکم نہیں لگایا جائے گا بلکہ اسے دین کی وہ بات بتائی جائے گی اور اگر اس کے باوجود وہ اس سے انکار پر اصرار کرے تو پھر اس پر کفر کا حکم لگایا جائے گا۔“^(۱)

شرح مسلم، للنووی، ج ۱ ص ۱۲۸۔

امام ابن حزمؒ بیان فرماتے ہیں:

”جو شخص اللہ کے کسی حرام کردہ کام کو حلال قرار دے جب کہ اسے علم بھی ہو کہ اسے اللہ نے حرام قرار دیا ہے تو ایسا شخص کافر ہو جاتا ہے۔“^(۱)

۲۔ دین و شریعت پر عمل اور نبی کریمؐ کی اطاعت کی ضرورت نہ سمجھنا

اگر کوئی شخص اپنے یا کسی اور کے بارے میں یہ عقیدہ رکھے کہ اسے دین و شریعت پر عمل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے یا نبی کریمؐ کی اطاعت و فرمانبرداری والی زندگی گزارنا اس کے لیے مستثنیٰ ہے تو یہ عقیدہ واضح طور پر کفر ہے۔ اس لیے کہ یہ دین کے واضح اور صریح احکام کا انکار کرنے والی بات ہے۔ خود نبی کریمؐ نے اس دین پر عمل کر کے دکھایا جس کی آپؐ نے لوگوں کو دعوت دی اور آپؐ کے صحابہ نے بھی دین و شریعت پر اپنی استطاعت کے مطابق ہمیشہ عمل کیا۔ کبھی کسی کے ذہن میں یہ خیال پیدا نہیں ہوا کہ اب اسے دین و شریعت پر عمل کی ضرورت و حاجت نہیں ہے مگر بعض لوگ اولیاء کے بارے میں یہ کفریہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ انہیں دین و شریعت پر عمل کی ضرورت نہیں ہے جیسا کہ ابن جوزیؒ بیان فرماتے ہیں کہ

”صوفیاء میں سے بعض لوگ ایسے بھی ہیں جنہوں نے ایک طویل عرصہ تک ریاضت بدنی میں گزارا پھر انہوں نے خیال کیا کہ ان کے لیے حق تعالیٰ ظاہر ہو گیا ہے تو انہوں نے کہہ دیا کہ اب ہمیں اوامر و نواہی (یعنی شریعت) کی تابعداری کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ یہ تو عوام کے لیے رسماً مقرر کی گئی چیز ہے اور اگر عوام کے لیے بھی وہ کچھ ظاہر ہو جائے جو ہمارے لیے ظاہر ہو چکا ہے تو پھر ان سے بھی شریعت کی پابندی اٹھ جائے گی۔“^(۲)

علامہ ابن حزمؒ بیان فرماتے ہیں:

”صوفیاء میں سے ایک گروہ کا دعویٰ ہے کہ اللہ کے اولیاء تمام نبیوں سے بھی افضل ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ جو شخص ولایت کی انتہا کو پہنچ جائے اس سے نماز، روزہ، زکاۃ وغیرہ جیسے شرعی احکام کی پابندی اٹھ

۱۔ الفصل فی الملل و النحل، لابن حزم، ج ۳، ص ۱۱۴۔

۲۔ تلبیس ابلیس، لابن النجوزی، ص ۴۹۶۔

جاتی ہے اور اس کے لیے زنا، شراب وغیرہ ہر طرح کی محرمات حلال ہو جاتی ہیں حتیٰ کہ اس طرح انہوں نے دوسروں کی بیویاں بھی اپنے لیے حلال قرار دے لیں اور انہوں نے یہاں تک دعویٰ کیا کہ ہم اللہ کو دیکھتے ہیں اور اللہ سے کلام کرتے ہیں اور جو کچھ ہمارے دل میں خیال آتا ہے وہ سب حق ہے۔ معاذ اللہ من ذلک!!^(۱)

قاضی عیاض بیان فرماتے ہیں کہ صوفیا وغیرہ میں سے جو لوگ شریعت کی پابندی سے آزادی اور ہر حرام کے حلال ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، ایسے لوگ بالا جماع کافر ہیں۔^(۲)

امام ابن قدامہؒ بیان فرماتے ہیں کہ

”جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ کسی کے لیے اللہ تک پہنچنے کا ایسا راستہ بھی ہے جو نبی کریم ﷺ کی اطاعت کے علاوہ ہے، یا یہ کہ کسی کے لیے آپ ﷺ کی اتباع ضروری نہیں ہے یا یہ کہ کوئی کہے میں ظاہری علم میں تو آپ ﷺ کا محتاج ہوں مگر باطنی علم میں آپ ﷺ کا محتاج نہیں ہوں، یا یہ کہے کہ حقیقت (یعنی طریقت وغیرہ) کا علم شریعت کے علم سے افضل ہے، یا یہ کہے کہ اہل علم میں سے بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے لیے شریعت سے خروج (خلاف ورزی) جائز ہے جس طرح حضرت خضر کے لیے حضرت موسیٰ کی شریعت سے خروج جائز تھا، تو ایسی تمام صورتوں میں اسے کافر قرار دیا جائے گا۔“^(۳)

دین و شریعت سے آزادی کا عقیدہ رکھنے والوں کے کفر کی بات امام ابن تیمیہؒ نے بھی اپنی تحریروں میں جا بجا کی ہے۔^(۴)

شریعت سے خروج کا عقیدہ رکھنے والوں پر ملا علی قاری نے بھی کفر و ضلالت کا فتویٰ لگایا ہے۔^(۵)

- ۱- الفصل فی الملل والنحل، ج ۴، ص ۲۲۶۔ اس سلسلہ میں مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: اتحاف السادة، للزبيدي، ج ۸، ص ۲۷۸۔ مجموع الفتاوى، ج ۱۱، ص ۴۰۵ تا ۴۲۲۔
- ۲- الشفاء للعباس، ج ۲، ص ۱۰۷۴۔
- ۳- الاقناع مع شرح كشاف القناع، ج ۶، ص ۱۷۱۔
- ۴- دیکھیے: مجموعة الرسائل والمسائل، ص ۴۵۰، ۴۴۔ نیز دیکھیے: مجموع الفتاوى، ج ۳، ص ۴۲۲۔ ج ۱۱، ص ۵۳۹، ۴۰۲۔
- ۵- دیکھیے: شرح الفقه الاكبر، لعلی القاری، ص ۱۸۳۔

۶۔ نفاق..... کفر اعتقادی کی بدترین صورت

جب انسان کا قول یا فعل اس کے عقیدہ (فکر، نظریہ، قلبی اعتقاد) کے خلاف ہو تو اس کی اس حالت کو نفاق کہا جاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں عقیدے اور قول و فعل کے تضاد کا نام نفاق ہے۔

نفاق کی دو قسمیں ہیں۔ اعتقادی نفاق اور عملی نفاق۔ اعتقادی نفاق اکبر اور نفاق تکذیب بھی کہا جاتا ہے اور عملی نفاق کو نفاق اصغر (اور نفاق عمل بھی) کہا جاتا ہے۔ نفاق کی اس تقسیم کے سلسلہ میں امام ترمذی ایک حدیث جس میں جھوٹ، خیانت، وعدہ خلافی اور گالی گلوچ کو نفاق قرار دیا گیا ہے، کے ضمن میں نفاق کی وضاحت کرتے ہوئے بیان فرماتے ہیں:

”اہل علم کے نزدیک اس حدیث میں نفاق سے مراد نفاق العمل ہے جبکہ نفاق التذیب (نفاق اکبر) تو نبی کریم ﷺ ہی کے دور میں پایا جاتا تھا۔ حسن بصریؒ سے بھی اسی طرح منقول ہے، آپؒ فرماتے ہیں کہ نفاق کی دو قسمیں ہیں: ایک نفاق عمل اور دوسری نفاق التذیب۔“

اسی طرح امام ابن تیمیہؒ بیان فرماتے ہیں:

”نفاق کی ایک قسم وہ ہے جسے نفاق اکبر کہا جاتا ہے، اس کا مرتکب ہمیشہ جہنم کے سب سے نچلے گڑھے میں رہے گا۔ یہ وہی نفاق ہے جس کا ارتکاب عبد اللہ بن ابی وغیرہ نے کیا تھا، اس نفاق میں رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کی جاتی ہے یا آپ ﷺ کے لائے ہوئے دین کی کسی بات کا انکار کیا جاتا ہے، یا آپ ﷺ سے بغض رکھا جاتا ہے یا آپ کی اتباع نہ کرنے کا عقیدہ رکھا جاتا ہے یا آپ ﷺ کے دین کو خطرہ ہو تو خوشی منائی جاتی ہے اور غلبہ ہو تو افسوس کیا جاتا ہے، یا اسی طرح کی کوئی اور حرکت کی جاتی ہے۔ اور ظاہر ہے ایسا طرز عمل صرف وہی اختیار کر سکتا ہے جو اللہ اور اس کے رسول کا دشمن ہو۔ اور اس کی مثال اللہ کے رسول ﷺ کے دور میں بھی پائی گئی ہے اور آپ ﷺ کے بعد بھی ہمیشہ اس قسم کا نفاق موجود رہا ہے بلکہ آپ ﷺ کے بعد تو یہ نفاق اور زیادہ بڑھ گیا ہے..... اور جس قسم کو نفاق اصغر کہا جاتا ہے، وہ عمل وغیرہ سے تعلق رکھتی ہے۔“ (۱)

اسی طرح حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں:

”نفاق اس طرزِ عمل کا نام ہے جس میں خیر کو ظاہر کیا جاتا اور شر کو چھپایا جاتا ہے۔ اس کی کئی قسمیں ہیں۔ ایک قسم اعمقادی ہے اور یہ وہ قسم ہے جس کا مرتکب ہمیشہ آگ میں رہے گا اور ایک قسم عملی نفاق ہے جس کا تعلق کبیرہ گناہوں کے ساتھ ہے۔“^(۱)

حافظ ابن حجر بیان فرماتے ہیں کہ

”لغوی طور پر نفاق کہتے ہیں ظاہر اور باطن کے تضاد کو۔ اگر یہ تضاد عقیدہ و ایمان کے لحاظ سے پایا جائے تو یہ نفاق کفر (نفاق اکبر) ہوتا ہے ورنہ نفاق عمل ہوتا ہے اور نفاق عمل کا تعلق کسی کام کے کرنے سے بھی ہو سکتا ہے اور کسی کام کے چھوڑنے سے بھی۔ اور اس نفاق کے کئی درجیں ہیں۔“^(۲)

بعض اہل علم نے منافقین کے لیے زندیق (جمع: زنداقہ، زندا دیق) کی اصطلاح بھی استعمال کی ہے۔^(۳)

عملی نفاق: یعنی نفاق اصغر

عملی نفاق سے مراد وہ نفاق ہے جس کا مرتکب دائرۃ اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔ اس نفاق میں کبیرہ گناہوں کا ارتکاب اور فرائض و واجبات میں سستی اور ریاکاری وغیرہ شامل ہے۔ یہ چیزیں بھی ایمان کامل کے منافی ہیں، اور ایمان کے منافی ہونے کی وجہ ہی سے ان چیزوں کے ارتکاب کو عملی نفاق قرار دیا گیا ہے، مگر ضروری نہیں کہ ان کا مرتکب دل سے کافر بھی ہو، جیسا کہ درج ذیل احادیث سے معلوم ہوتا ہے:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ: إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ وَإِذَا اتَّخَذَ حَاوِلًا))^(۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: منافق کی تین علامتیں ہیں:

۱۔ تفسیر ابن کثیر، ج ۱ ص ۴۷۔

۲۔ فتح الباری، ج ۱، ص ۸۹۔

۳۔ دیکھئے: الايمان الاوسط، لابن تیمیہ، ص ۱۳۔ طریق المحدثین، لابن القيم، ص ۳۷۴۔

۴۔ صحیح البخاری، کتاب الايمان، باب علامة النفاق، ج ۳۳۔ مسلم، کتاب الايمان، باب بیان خصال المنافق۔

”جب بات کرے تو جھوٹ بولتا ہے۔ جب وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرتا ہے اور جب اسے امانت سونپی جائے تو اس میں خیانت کرتا ہے۔“

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”چار چیزیں ایسی ہیں کہ جس میں یہ پائی جائیں وہ پکا منافق ہے اور جس میں ان چار میں سے کوئی ایک پائی جائے تو اس میں نفاق کی خصلتوں میں سے ایک خصلت موجود ہے جب تک کہ وہ اسے چھوڑ نہ دے۔ (اور وہ چار چیزیں یا خصلتیں یہ ہیں): (۱) جب امانت سونپی جائے تو اس میں خیانت کرے۔ (۲) بات کرتے ہوئے جھوٹ بولے۔ (۳) وعدہ کر کے اسے پورا نہ کرے۔ (۴) جھگڑا ہو جائے تو گالی گلوچ کرے۔“ (۱)

امام نوویؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ

”اس حدیث کا معنی و مفہوم متعین کرنے کے حوالے سے اہل علم نے اس حدیث کو مشکل حدیث قرار دیا ہے، اس لیے کہ یہ خصلتیں تو ایک ایسے سچے مسلمان میں بھی پائی جاتی ہیں جس کے ایمان میں کسی کو شک نہیں ہوتا۔ اور اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ جو شخص دل اور زبان سے ایمان لایا ہو اور پھر ان خصلتوں کا اس سے ارتکاب ہو تو اس پر کفر کا فتویٰ نہیں لگایا جاسکتا اور نہ ہی وہ ایسا منافق شمار کیا جائے گا جو ہمیشہ جہنم میں رہنے والا ہے۔ حضرت یوسفؑ کے بھائیوں میں بھی یہ خصلتیں پائی جاتی تھیں۔ اسی طرح سلف میں عوام اور علماء میں سے بعض لوگوں میں جزوی یا کلی طور پر یہ خصلتیں نظر آتی ہیں۔ اس حدیث کی صحت میں تو الحمد للہ کسی قسم کا اختلاف نہیں ہے، البتہ اس کا معنی و مفہوم متعین کرنے میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ محققین اور اکثر و بیشتر اہل علم کی رائے اور جو صحیح رائے بھی ہے، وہ یہ ہے کہ اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ یہ خصلتیں نفاق کی خصلتیں ہیں اور جس شخص میں یہ خصلتیں پائی جائیں، وہ ان خصلتوں (اوصاف) اور اخلاق میں منافقوں کے مشابہ ہے اور نفاق اس چیز کا اظہار ہوتا ہے جو دل میں ہوتی ہے، لہذا ان خصلتوں سے متصف شخص میں نفاق موجود ہے مگر یہ نفاق اس شخص کے مقابلے میں ہے جس سے بات کرتے ہوئے یہ جھوٹ بولتا ہے، یا جس کے ساتھ یہ وعدہ خلافی کرتا ہے یا جس

۱۔ بخاری، کتاب الایمان، باب علامة النفاق، ج ۳۔ مسلم، کتاب الایمان، باب بیان حصال المنافق۔

کے ساتھ یہ خیانت اور جھگڑا کرتا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ اس شخص کو اسلام کا منافق کہا جائے کہ یہ دل میں کفر چھپائے ہوئے ہے اور بظاہر مسلمان بنا ہوا ہے اور نہ ہی اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے یہ مراد لی ہے کہ ایسا شخص جس میں یہ خصلتیں پائی جائیں، وہ کافر اور ہمیشہ جہنم کے سب سے نچلے گڑھے میں سزا پانے والا ہے۔ البتہ آپ ﷺ کا یہ کہنا کہ وہ پکا منافق ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ان خصلتوں کی وجہ سے ایسے شخص اور ایک منافق میں بڑی گہری مشابہت پائی جاتی ہے۔ بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ جس شخص میں یہ خصلتیں غالب ہوں وہی اس حدیث کا مصداق ہے جب کہ جس کی زندگی میں شاذ و نادر ایسی کوئی خصلت پائی جائے وہ اس مذمت میں شامل نہیں ہے۔^(۱)

حافظ ابن حجرؒ بیان فرماتے ہیں کہ

”کہا گیا ہے کہ یہ حدیث اس شخص پر محمول کی جائے گی جس میں یہ خصلتیں غالب آجائیں اور وہ ان چیزوں کے ارتکاب کو نہایت معمولی بات سمجھتا اور ان کا عام مرتکب بنتا ہو۔ اور اصل وجہ یہ ہے کہ جو شخص منافق اور فاسد العقیدہ ہوتا ہے، اس میں عام طور پر اسی طرح کی خصلتیں پائی جاتی ہیں۔“^(۲)

اسی طرح بعض اہل علم نے اس سے ملتا جلتا ایک مفہوم یہ بھی بیان کیا ہے:

”ان خصلتوں کے مرتکب ایک مسلمان کو منافق اس لیے کہا گیا ہے کہ اسے ان خصلتوں سے ڈرانا مقصود تھا، تاکہ وہ ان خصلتوں کو اپنی عادت بنا کر کہیں نفاق اکبر تک نہ پہنچ جائے۔ لہذا جس شخص میں یہ خصلتیں نظر آئیں یا ان میں سے کسی ایک خصلت کا وہ مرتکب ہو مگر وہ ان کا عادی نہ ہو تو اسے منافق نہیں کہا جائے گا۔“^(۳)

۱۔ شرح مسلم، للنووی، ج ۲ ص ۴۶، ۴۷۔

۲۔ فتح الباری، ج ۱ ص ۹۰۔

۳۔ دیکھیں: شرح السنۃ، ج ۱ ص ۷۶۔ جامع العلوم والحکم، لابن رجب، ص ۴۰۷۔ یاد رہے کہ وہ تمام احادیث اسی اوپر بیان کیے گئے سیاق (مفہوم) میں سمجھی جائیں گی جن میں عملی نفاق کا ذکر ملتا ہے مثلاً وہ حدیث جس میں ہے: ”جس نے جہاد نہ کیا اور نہ جہاد کا شوق اور ارادہ کبھی دل میں پیدا ہوا تو وہ نفاق کے ایک شعبہ پر مرے گا۔“ مسلم، کتاب

الإمارة، باب ذم من مات ولم یغزو، ج ۱ ص ۱۹۱۔

اعتقادی نفاق رنفاق اکبر

شرعی اصطلاح میں نفاق اکبر یا اعتقادی نفاق سے مراد یہ ہے کہ انسان کے دل میں ایمان نہ ہو بلکہ کفر ہو مگر ظاہری اعمال و اقوال سے وہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرے اور مسلمانوں کو دھوکا دینے کی کوشش کرے جیسا کہ نبی کریم ﷺ کے دور میں مدینہ کے منافقین اسلامی حکومت کے خوف یا بعض اور مادی مفادات کے پیش نظر اپنا کفر چھپا کر رکھتے اور مسلمانوں کے سامنے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے تھے۔ قرآن مجید نے ایسے لوگوں کے بارے میں صاف اعلان کیا کہ یہ مومن نہیں بلکہ منافق ہیں، اور ابدی جہنمی ہیں بلکہ جہنم میں سب سے نچلے گڑھے میں یہ سزا پائیں گے۔

منافقین کی مسلم معاشروں میں وجود اور ان کی صفات و عادات کے بارے میں آئندہ سطور میں چند آیات ملاحظہ فرمائیں:

(۱) ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَمَا يُخَادِعُونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ﴾ [سورة البقرة: ۸ تا ۱۰]

”لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لائے ہیں، حالانکہ وہ ایمان نہیں لائے (بلکہ) وہ تو اللہ اور ایمان والوں کو (اپنے خیال سے) دھوکا دیتے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو دھوکا دیتے ہیں مگر انہیں اس کا علم نہیں۔ ان کے دلوں میں بیماری ہے پس اللہ نے ان کی بیماری کو مزید بڑھا دیا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے، اس لیے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔“

(۲) ﴿بَشِّرِ الْمُنَافِقِينَ بِأَنَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا الَّذِينَ يَتَّخِذُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ أَيْنِئْتُونَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَفْعَلُوا مَعَهُمْ حَتَّى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ إِنَّكُمْ إِذَا مَثَلْتُمْ إِنَّ اللَّهَ جَامِعُ الْمُنَافِقِينَ وَالْكَافِرِينَ فِي جَهَنَّمَ جَمِيعًا الَّذِينَ يَتَرَبَّصُونَ بِكُمْ فَإِن كَانَ لَكُمْ فِتْحٌ مِّنَ اللَّهِ قَالُوا أَلَمْ نَكُنْ مَعَكُمْ وَإِن كَانَ لِلْكَافِرِينَ نَصِيبٌ قَالُوا أَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعُكُم مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ فَاللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَنْ يَجْعَلَ اللَّهُ

لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا إِنَّ الْمُنْفِقِينَ يُخَدِّعُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كُسَالَى يُرَآؤُونَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا مُّذَبِّذِينَ بَيْنَ ذَلِكَ لَا إِلَى هَؤُلَاءِ وَلَا إِلَى هَؤُلَاءِ وَمَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ سَبِيلًا ﴿[سورة النساء: ۱۳۸ تا

[۱۴۳

”منافقوں کو یہ خبر دے دو کہ ان کے لیے دردناک عذاب یقینی ہے، وہ لوگ جن کی یہ حالت ہے کہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے پھرتے ہیں۔ کیا یہ ان کے پاس عزت کی تلاش میں جاتے ہیں؟ (تو یہ یاد رکھیں کہ) عزت ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے پاس اپنی کتاب میں یہ حکم اتار چکا ہے کہ تم جب کسی مجلس والوں کو اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرتے اور مذاق اڑاتے ہوئے سنتو اس مجمع میں ان کے ساتھ نہ بیٹھو! جب تک کہ وہ اس کے علاوہ اور باتیں نہ کرنے لگیں، (ورنہ) تم بھی اس وقت انہی جیسے ہو، یقیناً اللہ تعالیٰ تمام کافروں اور سب منافقوں کو جہنم میں جمع کرنے والا ہے۔ یہ لوگ تمہارے انجام کار کا انتظار کرتے رہتے ہیں، پھر اگر تمہیں اللہ فتح دے تو یہ کہتے ہیں کہ کیا ہم تمہارے ساتھی نہیں اور اگر کافروں کو تھوڑا سا غلبہ مل جائے تو (ان سے) کہتے ہیں کہ ہم تم پر غالب نہ آنے لگے تھے اور کیا ہم نے تمہیں مسلمانوں کے ہاتھوں سے نہ بچایا تھا؟ پس قیامت میں خود اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا اور اللہ تعالیٰ کافروں کو ایمان والوں پر ہرگز راہ نہ دے گا۔ بے شک منافق اللہ سے چالبازیاں کرتے ہیں اور اللہ انہیں اس چالبازی کا بدلہ دینے والا ہے اور جب نماز میں کھڑے ہوتے ہیں تو بڑی کاہلی کی حالت میں کھڑے ہوتے ہیں، صرف لوگوں کو دکھاتے ہیں اور یاد الہی تو یونہی سی برائے نام کرتے ہیں۔ اور وہ درمیان ہی میں معلق ڈمگ مار رہے ہیں، نہ پورے ان کی طرف نہ صحیح طور پر ان کی طرف اور جسے اللہ تعالیٰ گمراہی میں ڈال دے تو تو اس کے لیے کوئی راہ نہ پائے گا۔“

(۳) ﴿إِنَّ الْمُنْفِقِينَ فِي الدَّرَكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيرًا إِلَّا الَّذِينَ قَاتَلُوا وَأَصْلَحُوا وَاعْتَصَمُوا بِاللَّهِ وَأَخْلَصُوا دِينَهُمْ لِلَّهِ فَأُولَئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ أَجْرًا عَظِيمًا﴾ [سورة النساء: ۱۴۵، ۱۴۶]

”منافق تو یقیناً جہنم کے سب سے نچلے گڑھے میں جائیں گے، ناممکن ہے کہ آپ ان کا کوئی مددگار

پائیں۔ ہاں جو (ان میں سے) توبہ کر لیں اور اصلاح کر لیں اور اللہ پر کمال یقین رکھیں اور خالص اللہ ہی کے لیے دینداری کریں تو یہ لوگ مومنوں کے ساتھ ہیں اور اللہ مومنوں کو بہت بڑا اجر دے گا“

(۴) ﴿إِذَا حُجَّاءُكَ الْمُنَافِقُونَ قَالُوا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُولُ اللَّهِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُولُهُ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَكَاذِبُونَ اتَّخَذُوا أَيْمَانَهُمْ حُنَّةً فَأَصْلَحُوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ إِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا فَطُبِعَ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُونَ وَإِذَا رَأَوْهُمْ تَعَجَّبْتَ أَجْسَامَهُمْ وَإِنْ يَقُولُوا تَسْمَعُ لِقَوْلِهِمْ كَأَنَّهُمْ خُشْبٌ مُسْنَدَةٌ يَحْسَبُونَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ قَاتَلَهُمُ اللَّهُ أَنَّى يُؤْفَكُونَ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُولُ اللَّهِ لَوَّا رُؤُوسَهُمْ وَرَأَيْتَهُمْ يَصْطَلُونَ وَهُمْ مُسْتَكْبِرُونَ سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ أَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ لَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ﴾ [سورة المنافقون: ۱ تا ۷]

”تیرے پاس جب منافق آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم اس بات کے گواہ ہیں کہ بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں، اور اللہ جانتا ہے کہ یقیناً آپ اس کے رسول ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق قطعاً جھوٹے ہیں۔ انہوں نے اپنی قسموں کو ذرا حال بنا رکھا ہے، پس اللہ کی راہ سے رک گئے ہیں۔ بے شک برا ہے وہ کام جو یہ کر رہے ہیں۔ اس سبب سے کہ یہ ایمان لا کر کافر ہو گئے ہیں پس ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی ہے۔ اب یہ نہیں سمجھتے۔ جب آپ انہیں دیکھ لیں تو ان کے جسم آپ کو خوش نما معلوم ہوں، یہ جب باتیں کرنے لگیں تو آپ ان کی باتوں پر (اپنا) کان لگائیں، گویا کہ یہ لکڑیاں ہیں دیوار کے سہارے سے لگائی ہوئیں، ہر (سخت) آواز کو اپنے خلاف سمجھتے ہیں۔ یہی حقیقی دشمن ہیں، ان سے بچو اللہ انہیں غارت کرے کہاں سے پھرے جاتے ہیں۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ تمہارے لیے اللہ کے رسولؐ استغفار کریں تو اپنے سر موڑ لیتے ہیں اور آپ دیکھیں گے کہ وہ تکبر کرتے ہوئے رک جاتے ہیں۔ ان کے حق میں آپ کا استغفار کرنا اور نہ کرنا برابر ہے۔ اللہ انہیں ہرگز نہ بخشے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ (ایسے) نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا“۔

مذکورہ بالا آیات کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ نفاق کی یہ شکل کفر اکبر ہی کی طرح ہے۔ اس کی موجودگی میں ایمان باقی نہیں رہتا، تاہم قانونی طور پر ایسے لوگوں پر مرتد ہونے کا حکم نہیں لگایا جاسکتا جب تک کہ وہ کفر کا

برملا اظہار یا اعتراف نہ کر لیں، اس لیے کہ نفاق کا تعلق دل کے ساتھ ہے اور دل کے حالات ظاہر ہے اللہ ہی جانتے ہیں۔

نفاق کے بعض مظاہر

نفاق کا تعلق اگرچہ باطن کے ساتھ ہے، تاہم بعض چیزیں ایسی ہیں جن کے ظہور سے کسی کے نفاق کا شبہ ہوتا ہے، اسی لیے ان چیزوں کو نفاق کے مظاہر بھی کہا جاتا ہے، مثلاً جیسے:

۱۔ دین اسلام پر طنز و تشنیع کرنا۔

۲۔ نبی کریم ﷺ یا آپ کی حدیث و سنت کے ساتھ طنز یا انداز اختیار کرنا مگر مبہم طریقے سے۔

۳۔ مسلمانوں کے خلاف کافروں کی مدد کرنا اور مسلمانوں کی بجائے کافروں سے دوستی رکھنا۔

۴۔ کافروں اور غیر مسلموں کے کفر میں بلاوجہ شک و شبہ کرنا۔

ان چیزوں کو نفاق کے مظاہر اس لیے بھی کہا جاتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے دور میں منافقین ہی ایسی چیزوں کا ارتکاب کیا کرتے تھے۔



۷۔ اسلامی عقائد میں شک و شبہ

دین کی کسی بھی ثابت شدہ اور قطعی و یقینی بات میں شک کرنا بھی کفر ہے، خواہ اس بات کا تعلق عقائد (ارکانِ ایمان) سے ہو یا ارکانِ اسلام سے یا دیگر شرعی احکام سے۔ شک سے ایمان مشکوک ہو جاتا ہے، کیونکہ ایمان کہتے ہی اس حالت کو ہیں جس میں اتنا یقین پایا جائے کہ کسی قسم کا شک باقی نہ رہے جیسا کہ قرآن مجید میں ایمان والوں کی صفت بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ﴾ [سورة الحجرات: ۱۵]

”مومن تو وہ ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر (پکا) ایمان لائیں پھر شک و شبہ نہ کریں اور اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہیں، (اپنے دعویٰ ایمان میں) کبھی سچے اور راست گو ہیں۔“

اور اگر کلمہ پڑھنے کے بعد بھی کسی کا شک باقی رہے یا بعد میں پیدا ہو جائے تو اس سے ایمان ٹوٹ جاتا ہے۔ قرآن مجید میں اس حالت کو منافقین کی صفت بتایا گیا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّمَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوبُهُمْ فَهُمْ فِي رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُونَ﴾ [سورة التوبة: ۴۵]

”آپ سے (جہاد سے پیچھے بیٹھ رہنے کی) اجازت وہی لوگ مانگتے ہیں جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے اور ان کے دل شک میں پڑے ہیں اور وہ اپنے شک میں سرگرداں (پریشان) ہیں۔“

اسی طرح وہ احادیثِ جن میں دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے لیے کلمہ پڑھنے کا کہا گیا ہے، ان میں بھی یہ بات بیان کی گئی ہے کہ دل کے پورے یقین اور اخلاص کے ساتھ کلمہ پڑھا جائے، مثلاً ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّي رَسُولُ اللَّهِ لَا يَلْقَىٰ بِهِمَا عَبْدٌ غَيْرُ شَاكٍ فِيهِمَا إِلَّا دَخَلَ

الْجَنَّةِ)) (۱)

”جس شخص نے بغیر کسی شک کے کلمہ شہادت کا اقرار کیا، وہ جنت میں جائے گا۔“

اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک باغ میں تشریف فرما تھے، کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، آپ کے پاس آئے۔ آپ ﷺ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا:

((اِذْهَبْ بِنَعْلَيْكَ هَاتَيْنِ فَمَنْ لَقِيتَ مِنْ وُزَرَ هَذَا الْحَاوِطِ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُسْتَقِيمًا بِهَا قَلْبُهُ فَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ)) (۲)

”میرے یہ جوتے لے جاؤ اور باغ سے باہر تمہیں جو بھی ایسا شخص ملے جو اس بات کی دل کی گہرائی اور یقین سے شہادت دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں تو اسے جنت کی بشارت سنا دو۔“

قاضی عیاض بیان فرماتے ہیں کہ

”نبی کریم ﷺ نے ہم تک جو دین پہنچایا، اس کے بارے میں اگر کوئی شخص آپ ﷺ پر جھوٹ باندھے یا آپ ﷺ کے سچا نبی ہونے کے بارے میں شک کرے یا آپ ﷺ کو گالی دے..... تو ان تمام صورتوں میں وہ بالا جماع کافر قرار دیا جائے گا۔“ (۳)



۱- مسلم، کتاب الایمان، باب الدلیل علی ان من مات علی التوحید دخل الجنة قطعا، ح- ۲۷۔ احمد، ابن

حبیب، ح- ۶۵۳۰۔ ابو یعلیٰ، ح- ۱۱۹۹۔

۲- مسلم، ایضا۔

۳- الشفاء، ح- ۰۲، ص- ۱۰۶۹۔

۸۔ کافر کے کفر میں شک

بہت سے اہل علم نے کافر کے کفر میں شک کرنے کو بھی اعتقادی مکفرات میں شمار کیا ہے، مثلاً قاضی عیاضؒ اس سلسلہ میں بیان فرماتے ہیں کہ

”جو شخص ملت اسلامیہ کی بجائے کسی اور ملت کی طرف مائل ہوا، یا ان کے ساتھ گھل مل گیا، یا اس نے (ان کے دین کے جھوٹا ہونے پر یقین کرنے کی بجائے) شک کیا، یا ان کے مذاہب کو صحیح قرار دیا، خواہ اس کے ساتھ وہ اسلام کا بھی اظہار کرتا اور اسلامی عقیدہ رکھتا ہو اور غیر اسلامی مذاہب کو باطل سمجھتا ہو، مگر وہ کافر ہے، اس لیے کہ اس نے جس چیز کا اظہار کیا ہے وہ اس کے عقیدہ کے بالکل منافی اور الٹ ہے۔“^(۱)

نیز فرماتے ہیں:

”جان لو کہ جس نے قرآن یا قرآنی مصحف کے ساتھ استخفاف (بے حرمتی کا ارتکاب) کیا، یا قرآن کو گالی دی یا اس کا انکار کیا، خواہ ایک حرف اور ایک آیت ہی کا انکار ہو، یا قرآن کی (بیان کردہ) کسی چیز کو غلط کہا یا قرآن کے کسی حکم یا خبر کی تکذیب کی یا اس چیز کو ثابت مانا جس کی قرآن نفی کرتا ہے یا اس چیز کی نفی کی جس کا قرآن اثبات کرتا ہے، یا اس سلسلہ میں کسی چیز کے بارے میں شک کیا تو وہ اہل علم کے ہاں اجماعی طور پر کافر ہے۔“^(۲)

کفر اعتقادی اگر ثابت اور ظاہر ہو جائے تو.....

کفر اعتقادی اگر ثابت اور ظاہر ہو جائے تو پھر اس کے مرتکب کے ساتھ قانونی طور پر وہی سلوک کیا جائے گا جو مرتد ہو جانے والوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ البتہ ان پر کفر و ارتداد کا حکم لگانے سے پہلے ان پر حجت

۱۔ الشفاء، ج ۲، ص ۱۰۷۱۔

۲۔ ایضاً، ص ۱۱۰۱۔

قائم کی جائے گی، پھر ان سے توبہ کا مطالبہ بھی کیا جائے گا اور اگر یہ اپنے کفر پر مصر رہیں تو بالآخر انہیں قتل کی سزا دی جائے گی اور اس سزا کا اختیار ایک با اختیار اسلامی حکومت کو ہے، کوئی فرد یا جماعت اپنے طور پر قانون کو ہاتھ میں لینے کی مجاز نہیں ہے۔

اور اگر کفر اعتقادی ثابت اور ظاہر نہ ہو تو پھر یہ نفاق کی طرح ہے اور اللہ کے ہاں ایسا شخص ضرور جہنم کا مستحق ہے، البتہ ایک اسلامی حکومت میں اسے وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جو دیگر مسلمانوں کو حاصل ہوتے ہیں، اس لیے کہ منافق شخص اپنے عملی کردار سے کفر ظاہر نہیں ہونے دیتا بلکہ اسلام ظاہر کرتا ہے۔ اور شریعت میں ظاہر کا اعتبار کرنے پر زور دیا گیا ہے، باطن کا نہیں۔ اسی لیے خود نبی کریم ﷺ نے اپنے دور میں منافقین کے بارے میں ذاتی طور پر جان لینے کے باوجود انہیں سزا نہیں دی۔

یہاں یہ نکتہ بھی واضح رہنا چاہیے کہ اصل چیز اعتقادی کفر ہی ہے۔ قولی اور عملی طور پر کفر کا اظہار بالعموم اسی وقت ہوتا ہے جب دل میں کفر موجود ہو۔ اگر دل میں کفر نہ ہو تو پھر قول و فعل سے کفر کا ظہور عام طور پر یا تو غلطی سے ہوتا ہے، یا تاویل سے یا جہالت سے یا ایسے ہی کسی اور عذر سے۔



[2].....قوی مکفرات ر قوی نواقض

۱۔ کفر تکذیب، کفر جحود اور کفر استکبار

کفر قوی سے مراد یہ ہے کہ گزشتہ صفحات میں جن اعتقادی مکفرات (یعنی کفریہ عقائد) کو بیان کیا گیا ہے، کوئی عاقل و بالغ شخص بغیر کسی جبر، دباؤ، تاویل، غلط فہمی اور لاعلمی کے ان میں سے کسی بھی کفریہ عقیدہ کے بارے میں صاف اعتراف کر لے کہ میں یہی عقیدہ رکھتا ہوں مثلاً کوئی صاف یہ اقرار کرتا ہو کہ میں کسی رب کو نہیں مانتا، یا کسی نبی اور رسول (نبوت و رسالت) کے عقیدہ کو نہیں مانتا، یا کسی شریعت اور دین کی ضرورت نہیں سمجھتا تو ایسی تمام صورتوں میں وہ کفر قوی کا مرتکب قرار پاتا ہے، خواہ ایسا وہ تکبر کی وجہ سے کہے یا کسی اور وجہ سے اور اس کا کفر ایسا واضح ہے کہ اس میں کسی قسم کا شک باقی نہیں رہ جاتا۔ اور ایک اسلامی حکومت میں اسلامی قانون کے تحت اول تو اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا، اگر وہ توبہ پر آمادہ نہ ہو تو اس پر ارتداد کا حکم لگا کر اسے قتل کی سزا دی جائے گی۔

واضح رہے کہ قوی کفر کی عام طور پر چار صورتیں ہو سکتی ہیں:

۱۔ اگر کوئی شخص حق معلوم ہو جانے کے باوجود کفر کی راہ اختیار کرتا ہے، تو کفر کی اس صورت کو اہل علم 'کفر عناد' یا 'کفر استکبار' کہتے ہیں۔

۲۔ اور اگر حق کا علم ہی نہ ہو مگر پھر بھی بغیر علم ہی کوئی حق کا انکار کرے اور حق کو سمجھنے کے لیے آمادہ ہی نہ ہو تو اس کے کفر کو 'کفر تکذیب' اور 'کفر جہل' کہا جاتا ہے۔

۳۔ اگر حق کا علم ہو مگر اسے چھپا کر کوئی حق کا انکار کرے تو اس کے کفر کو 'کفر جحود' کہا جاتا ہے۔

۴۔ اور اگر منافقت کے پیش نظر حق کو چھپایا جائے تو اسے 'کفر نفاق' کہا جاتا ہے۔

امام ابن بطہ بیان فرماتے ہیں کہ

”فكل من ترك شيئا من الفرائض التي فرضها الله في كتابه او اكدها رسول الله ﷺ في سننه على سبيل الجحود والتكذيب بها فهو كافر بين الكفر لا يشك في ذلك عاقل“

يؤمن بالله واليوم الآخر“ (۱)

”جس شخص نے تکذیب اور جود کے پیش نظر ان فرائض میں سے کسی فرض کا انکار کیا، جو فرائض اللہ کی طرف سے قرآن میں بیان کیے گئے ہیں یا جن کی فرضیت کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے اپنی سنت سے تاکید (وتوضیح) کر دی ہے تو ایسے شخص کا کفر اتنا واضح ہے کہ اس کے کفر میں اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والا کوئی عقل مند شک نہیں کر سکتا۔“

قاضی عیاضؒ بیان فرماتے ہیں کہ

”وكذلك نقطع بتكفير كل من كذب وانكر قاعدة من قواعد الشرع وما عرف يقينا بالنقل المتواتر من فعل الرسول ووقع الاجماع المتصل عليه كمن انكر وجوب الصلوات الخمس او عدد ركعاتها وسجدها“ (۲)

”ہم ہر اس شخص کو کافر قرار دیتے ہیں جو شریعت کے کسی ایسے ضابطے کا انکار کرتا ہے جو نبی کریم ﷺ سے یقینی تو اتر کے ساتھ ثابت ہو اور جس پر اجماع امت ہو چکا ہو مثلاً جیسے پانچ نمازوں کا انکار یا ان کی تعداد رکعات یا تعداد جود کا انکار۔“

۲۔ اللہ یا رسول یا قرآن یا دین کو گالی دینا

اگر کوئی شخص اللہ یا رسول یا قرآن یا دین کو گالی دیتا ہے تو وہ صریح طور پر کفر کا مرتکب قرار پاتا ہے۔ دل میں ایمان اور دین کی محبت ہو تو انسان یہ کام نہیں کرتا اور اگر کوئی اس طرح کی حرکت کرتا ہے تو ظاہر ہے یا تو وہ غلطی سے ایسا کرتا ہے اور غلطی میں اس کی سبقت لسانی (نہ چاہتے ہوئے منہ سے غلط بات نکل جانا)، اور جہالت وغیرہ کا اثر بھی ہو سکتا ہے۔ یا پھر وہ اکراہاً (کسی کے مجبور کرنے یعنی Gun Point پر) ایسا کرتا ہے، یا پھر وہ تصداً ہوش و حواس کے ساتھ ایسا کرتا ہے اور تصداً یہ کام انسان تب ہی کر سکتا ہے کہ جب اس کے دل میں دین کی محبت اور تعظیم سرے سے موجود ہی نہ ہو اور جب دین کی محبت اور ایمان دل میں موجود نہ ہوگا تو پھر ظاہر ہے کفر ہی اس کے دل میں ہو سکتا ہے۔ اس لیے اس گناہ کو کفر کہنے کی اصل بنیاد انسان کا وہ

۱۔ الابانہ، لابن بطہ العکبری، ج ۲ ص ۷۶۴۔

۲۔ الشفاء، ج ۲ ص ۱۰۷۳۔

کفریہ عقیدہ ہے جو اسے اس کفریہ حرکت پر آمادہ کرتا ہے۔

قرآن مجید میں منافقین کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ نبی ﷺ کو اذیت دینا منافقین کا شیوہ ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمِنْهُمْ الَّذِينَ يُؤَدُّونَ النَّبِيَّ وَيَقُولُونَ هُوَ أَدْنَىٰ قُلُوبِنَا أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَيُؤْمِنُونَ لِلْمُؤْمِنِينَ وَرَحْمَةً لِّلَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ يُؤَدُّونَ رَسُولَ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ [سورة التوبة: ٦١]

”ان میں سے وہ بھی ہیں جو پیغمبر کو ایذا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ کان کا کچا ہے، آپ کہہ دیجیے کہ وہ کان تمہارے بھلے کے لیے ہے۔ وہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور مسلمانوں کی بات کا یقین کرتا ہے اور تم میں سے جو اہل ایمان ہیں، یہ ان کے لیے رحمت ہے۔ رسول اللہ کو جو لوگ ایذا دیتے ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔“

اسی طرح نبی کریم ﷺ کو اپنے قول یا فعل سے کسی بھی طرح اذیت دینے والوں کے بارے میں ایک عمومی قاعدے کے طور پر ارشاد ہوا:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُؤَدُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا﴾

”جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں اللہ کی پھٹکار ہے اور ان کے لیے نہایت رسوا کن عذاب ہیں۔“ [سورة الاحزاب: ٥٦]

امام ابن تیمیہؒ امام بخاری کے استاد امام اسحاق بن راہویہؒ کے حوالے سے بیان فرماتے ہیں کہ ”مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ جو شخص اللہ یا اس کے رسول ﷺ کو گالی دیتا ہے وہ کافر ہو جاتا ہے، خواہ وہ اللہ کے نازل کردہ سارے دین کا اقرار کرتا ہو“۔^(۱)

امام خطابیؒ بیان فرماتے ہیں کہ

”مسلمانوں کا اس مسئلہ میں اتفاق ہے کہ نبی ﷺ کو گالی دینے والا کافر اور واجب القتل ہے“۔^(۲)

امام ابن حزمؒ بیان کرتے ہیں کہ

۱۔ اضرار المسلمون، ص ۱۵۔

۲۔ ایضاً۔

”جو شخص اللہ تعالیٰ کو یا اللہ کے کسی رسول کو یا اللہ کے کسی فرشتے کو یا اللہ کی کسی بات کو گالی دے تو وہ کافر و مرتد ہو جاتا ہے اور اس پر مرتد کے احکام لاگو ہوں گے۔“^(۱)

۳۔ اللہ یا رسول یا قرآن یا دین سے طنز و تشنیع اور استہزا کرنا

کسی کلمہ گو شخص کا اللہ یا رسول یا قرآن یا دین سے طنز و تشنیع اور استہزا کرنا بھی کفر میں شمار ہوتا ہے۔ گالی دینا تو واضح طور پر خطرناک جرم ہے اور اس کے بعد انسان کے کفر میں کوئی شک نہیں رہ جاتا جبکہ طنز و تشنیع اور استہزا میں بعض اوقات گالی بھی شامل ہوتی ہے اور بعض اوقات بری بات یا بری حرکت تو ہوتی ہے مگر وہ واضح طور پر گالی نہیں ہوتی۔ دل میں ایمان اور دین کی محبت ہو تو انسان یہ کام نہیں کرتا اور اگر کوئی اس طرح کی کوئی حرکت کرتا ہے تو ظاہر ہے یا تو وہ غلطی سے ایسا کرتا ہے اور غلطی میں اس کی سبقت لسانی (نہ چاہتے ہوئے منہ سے غلط بات نکل جانا)، جہالت وغیرہ کا اثر بھی ہو سکتا ہے۔ یا پھر وہ اکراہاً (کسی کے مجبور کرنے یعنی Gun Point پر) ایسا کرتا ہے، یا پھر وہ قصداً ہوش و حواس کے ساتھ ایسا کرتا ہے اور قصداً یہ کام انسان تب ہی کر سکتا ہے کہ جب اس کے دل میں دین کی محبت اور تعظیم سرے سے موجود ہی نہ ہو۔

گویا ان تمام صورتوں کو کفر کہنے کی بنیاد انسان کا اعتقاد ہے۔ اگر اعتقاد ٹھیک ہو تو پھر یہ امکان موجود ہے کہ اس نے غلطی یا جہالت سے ایسا کفریہ کام کیا ہو اور ایسی صورت میں ظاہر ہے جب اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا یا اس پر اس کی غلطی واضح کی جائے گی تو وہ اپنی غلطی تسلیم کر لے گا۔

قرآن مجید میں جگہ جگہ ایسی آیات موجود ہیں جن میں منافقین کے حوالے سے بتایا گیا ہے کہ دین سے مذاق، نبی سے طنز و استہزا اور ایذا دہی ان کا شیوہ تھا جیسا کہ گذشتہ صفحات میں ایسی بعض آیات نقل کی گئی ہیں۔



۱۔ المحلی، لابن حزم، ج ۱۱، ص ۴۱۳۔

۳۔ عملی مکفرات / عملی نواقض

عملی مکفرات سے مراد یہ ہے کہ گزشتہ صفحات میں جن اعتقادی مکفرات (یعنی کفریہ عقائد) کو بیان کیا گیا ہے، کوئی عاقل و بالغ شخص بغیر کسی جبر، دباؤ، تاویل، غلط فہمی اور لاعلمی کے ان میں سے کسی چیز کا اپنے فعل و عمل سے ارتکاب اور اظہار کرے مثلاً شرکیہ عقیدہ کفر ہے، اسی طرح عملی طور پر شرک کرنا بھی کفر کہلاتا ہے۔ اسی طرح قرآن و سنت، شریعت، نبی کریم ﷺ اور اسلامی شعائر کے ساتھ دل میں بغض اور نفرت رکھنا کفر ہے، اور اپنے عمل سے یعنی طنز و تشنیع وغیرہ کے ذریعے اس کا اظہار کرنا عملی کفر ہے۔ اسی طرح اپنے عمل سے اگر کوئی شخص دین کا مذاق اڑائے تو وہ کفر کا مرتکب ہے۔

عملی نواقض (یا عملی مکفرات) میں بعض اعمال اور افعال وہ ہیں جن کے کرنے سے کفر لازم آتا ہے اور بعض وہ ہیں جن کے چھوڑ دینے سے ایمان کا انکار اور کفر کا اثبات لازم آتا ہے مثلاً وہ عمل جن کے کرنے سے کفر لازم آتا ہے، ان میں شرک، دین و شریعت اور قرآن و سنت کی توہین، نبی کریم ﷺ کو ایذا دہی اور طنز و تشنیع وغیرہ جیسے اعمال شامل ہیں۔

اور وہ عمل جن کے چھوڑنے سے کفر لازم آتا ہے، ان کی حد بندی میں اہل علم کے ہاں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ البتہ ایک چیز جس پر اہل علم کا تقریباً اتفاق ہے، وہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص دین و شریعت پر عمل کرتا ہی نہیں تو یہ ایسا کفر ہے جس کی موجودگی میں کلمے کا کوئی فائدہ نہیں۔

دین و شریعت سے اعراض کا مسئلہ

دین و شریعت سے مجموعی طور پر اعراض کر لینا کفر کہلاتا ہے۔ اعراض کا مطلب ہے کسی چیز سے منہ پھیر لینا، اس کی طرف توجہ نہ کرنا، اسے اہمیت نہ دینا، بلکہ اسے بالکل چھوڑ دینا۔ خواہ یہ اعراض دل سے ہو یا عمل سے یا دل اور عمل دونوں سے۔ اسی طرح خواہ یہ اعراض تکبر کی وجہ سے ہو یا کسی اور وجہ سے۔

قرآن مجید میں دین سے اعراض کو کس نظر سے دیکھا گیا ہے، اس کے لیے درج ذیل چند آیات ملاحظہ فرمائیں:

(۱) ﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ ثُمَّ أَعْرَضَ عَنْهَا إِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِينَ مُنتَقِمُونَ﴾

[سورة السجدة: ۲۲]

”اور اس سے بڑا ظالم اور کون ہو سکتا ہے جسے اس کے رب کی آیات کے ساتھ وعظ کیا جائے اور وہ پھر بھی ان سے منہ موڑ لے۔ بے شک ہم مجرموں (گنہگاروں) سے انتقام لیں گے۔“

اس آیت کی تفسیر میں امام قرطبیؒ بیان فرماتے ہیں:

”یہاں أَعْرَضَ عَنْهَا کا مطلب ہے اسے قبول نہ کرے۔“^(۱)

(۲) ﴿وَمَنْ يُعْرِضْ عَن ذِكْرِ رَبِّهِ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا﴾ [سورة الحن: ۱۷]

”اور جو شخص اپنے رب کی یاد سے منہ موڑے گا، اسے اللہ سخت عذاب سے دوچار کرے گا۔“

اس آیت کی تفسیر میں امام قرطبیؒ بیان فرماتے ہیں:

”یہاں ذکر سے مراد قرآن ہے جیسا کہ ابن زید فرماتے ہیں اور اگر اس آیت کے خطاب کا رخ کفار کی

طرف مراد لیا جائے تو قرآن سے اعراض سے مراد ہوگا کہ جو اسے قبول نہ کرے اور اگر اس آیت کے

مخاطب مسلمان مراد لیے جائیں تو پھر اس سے اعراض کا مطلب ہوگا عمل میں لاپرواہی۔“^(۲)

(۳) ﴿وَيَقُولُونَ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالرَّسُولِ وَأَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلَّى فَرِيقٌ مِّنْهُمْ مِّنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَمَا

أُولَئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ وَإِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ إِذْ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُونَ﴾ [سورة

النور: ۴۷، ۴۸]

”لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور رسول پر ایمان لائے اور ہم نے اطاعت قبول کی ہے پھر (اس اقرار کے

بعد) ان میں سے ایک گروہ (اطاعت سے) منہ موڑ لیتا ہے۔ ایسے لوگ ہرگز مومن نہیں (کیونکہ)

جب انہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ رسول ان کے باہمی معاملات کا فیصلہ

کرے تو ان میں سے ایک گروہ منہ موڑنے (اعراض کرنے) والا بن جاتا ہے۔“

۱۔ تفسیر قرطبی، ج ۱۴، ص ۱۰۸۔ اس آیت کی تفسیر میں اسی طرح کی بات حافظ ابن کثیرؒ بھی بیان فرماتے ہیں کہ ”ولم

يصغ لها ولا اتقى اليها بالا“۔ تفسیر ابن کثیر، ج ۳، ص ۹۱۔

۲۔ تفسیر قرطبی، ج ۱۴، ص ۱۰۸، نیز دیکھیے: ج ۱۹، ص ۱۹۔

کلی اعراض اور جزوی اعراض

کئی اہل علم نے ’اعراض‘ کو نواقضِ ایمان قرار دیا ہے مگر اس میں اختلاف ہے کہ اس اعراض کی حدود کیا ہیں جن سے ایک شخص کا ایمان ختم ہو جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں بعض اہل علم نے اعراض کی دو قسمیں کی ہیں یعنی کلی اعراض اور جزوی اعراض۔

دین سے کلی اعراض کا مطلب یہ ہے کہ دین و شریعت سے کسی شخص کا اس طرح منہ موڑ لینا کہ جیسے اس کا اس دین سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ ظاہر ہے اس طرح کا اعراض ایمان کی ضد ہے اور ایسی صورت میں ایمان باقی نہیں رہتا۔ علماء اہل سنت مجموعی طور پر اس مسئلہ کے بارے میں یہی رائے ہے کہ دین سے کلی اعراض کفر ہے، البتہ اگر کوئی شخص کلی طور پر دین و شریعت پر عمل نہیں چھوڑتا مگر جزوی طور پر سستی اور کوتاہی وغیرہ کے پیش نظر بعض فرائض کو چھوڑتا ہے تو کیا وہ بھی کفر کا مرتکب ہے یا نہیں، اس مسئلہ میں اہل علم کا شروع سے اختلاف رہا ہے۔

آئندہ سطور میں پہلے ہم کلی اعراض کے بارے میں اہل علم کی آراء بیان کرتے ہیں، اس کے بعد جزوی اعراض پر بات کریں گے۔

کلی طور پر دین سے اعراض کر لینا اور عمل چھوڑ دینا کفر ہے

اکثر و بیشتر اہل علم نے اعراض کی اس قسم کو کفر شمار کیا ہے جس میں زبان سے کلمہ پڑھنے کے بعد اسلام کے احکام پر سرے سے عمل کیا ہی نہیں جاتا۔ چند اہل علم کے اقوال ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ امام شافعی فرماتے ہیں:

”صحابہ اور ان کے بعد تابعین اور ان کے بعد کے وہ لوگ جن کا زمانہ ہم نے پایا ہے، کا اس بات پر اجماع ہے کہ ایمان قول، عمل اور نیت کے مجموعے کا نام ہے۔ ان تینوں میں سے کوئی ایک باقی کے بغیر کفایت نہیں کرتا“۔^(۱)

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کلمہ پڑھنے کے بعد دین پر عمل کرتا ہی نہیں تو اس کے کلمہ کا بھی کوئی فائدہ نہیں۔

۱۔ دیکھیے: کتاب الایمان، لابن تیمیہ، ص ۱۹۷۔

۲۔ امام حنبلؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محدث حمیدیؒ نے بیان کیا کہ

”مجھے بتایا گیا کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ جو شخص نماز، زکاۃ، روزے اور حج کو ماننا ہو مگر زندگی بھران میں سے کسی پر بھی عمل نہ کرے اور اسی حالت میں فوت ہو جائے یا قبلہ کی طرف پیٹھ کر کے نماز پڑھتا رہے حتیٰ کہ فوت ہو جائے تو وہ پھر بھی مومن ہے جب تک کہ (ان میں سے کسی چیز کا) منہ سے انکار نہ کرے، کیونکہ انہیں ترک کرنے کے باوجود وہ مومن ہے اس لیے کہ وہ فرائض اور قبلہ رخ منہ کرنے کا اقرار کرتا ہے تو (حمیدیؒ فرماتے ہیں) میں نے کہا یہ تو صریح طور پر کفر ہے اور اس میں اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت اور علماء اسلام کی مخالفت ہے۔ قرآن مجید میں اللہ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ﴾ [سورة البينة: ۵]

”اور انہیں تو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اللہ کے لیے دین کو خالص کر کے اس کی عبادت کریں۔“

حنبلؒ کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبلؒ سے سنا، انہوں نے فرمایا: جس نے اس طرح کی بات کی (جو اوپر نقل ہوئی ہے) تو اس نے اللہ کے ساتھ کفر کیا اور اللہ کا حکم اور جو کچھ نبی ﷺ اللہ کی طرف سے لے کر آئے تھے، اس کو رد کیا۔“^(۱)

امام ابن تیمیہؒ تارک شریعت کے بارے میں بیان فرماتے ہیں:

”یہ بات ناممکن ہے کہ ایک آدمی دل میں پکا سچا ایمان رکھتا ہو اور جانتا ہو کہ اللہ نے اس پر نماز، روزہ، زکاۃ اور حج فرض کیا ہے مگر اس کے باوجود عرصہ دراز گزر جائے اور وہ اللہ کے حضور ایک سجدہ بھی نہ کرے، کبھی رمضان میں روزہ ہی نہ رکھے، زکاۃ بھی ادا نہ کرے اور نہ ہی اللہ کے گھر کا حج کرے۔ یہ صرف اس وقت ہی ممکن ہو سکتا ہے جب دل میں ایمان صحیح کی بجائے نفاق و زندقہ پایا جائے۔“^(۲)

امام ابن قیمؒ کفر اعراض کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”کفر اعراض یہ ہے کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ سے اپنے کان اور دل کو پھیر لے، نہ آپ ﷺ کی تصدیق کرے اور نہ تکذیب، نہ آپ ﷺ سے دوستی رکھے اور نہ دشمنی۔ اور جو دین آپ ﷺ لے کر

۱۔ ایضاً۔

۲۔ مجموع الفتاویٰ، ج ۷، ص ۶۱۱، ۶۲۱۔ نیز دیکھیے: ص ۲۱۸۔

آئے ہیں اس کی بالکل پرواہی نہ کرے۔“ (۱)

جزوی اعراض

اگر کوئی شخص کلی طور پر دین و شریعت پر عمل نہیں چھوڑتا مگر جزوی طور پر سستی اور کوتاہی وغیرہ کے پیش نظر ارکان اربعہ (یعنی نماز، روزہ، زکاۃ، حج) کو چھوڑتا ہے اور ان کا زبان سے انکار نہیں کرتا، تو کیا وہ بھی کفر اکبر کا مرتکب قرار پائے گا یا نہیں، اس مسئلہ میں اہل علم کا اختلاف ہے جیسا کہ امام ابن تیمیہؒ بیان فرماتے ہیں:

” (اس مسئلہ میں کئی آراء ہیں) ایک رائے یہ ہے کہ ارکان اربعہ میں سے اگر کوئی ایک پورا رکن ہی چھوڑ دے تو وہ کافر قرار دیا جائے گا، خواہ حج کا رکن چھوڑے، تاہم حج (کی استطاعت رکھنے کے بعد اس) میں تاخیر کرنا جائز ہے یا نہیں، اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ لیکن جو شخص حج نہ کرنے کا عزم کر لے، وہ کفر کا مرتکب ہے۔ سلف میں سے ایک جماعت کی یہی رائے ہے اور امام احمدؒ سے بھی اس سلسلہ میں ایک رائے یہی منقول ہے جسے ابو بکر نے اختیار کیا ہے۔

دوسری رائے یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ان ارکان میں سے کسی رکن کا کوئی (واجب) حصہ واجب تسلیم کرنے کے باوجود چھوڑ دے تو اسے کافر قرار دیا جائے گا جیسا کہ امام ابو حنیفہؒ کے بہت سے اصحاب اور امام مالک اور امام شافعیؒ کی رائے یہی ہے اور امام احمدؒ سے بھی ایک رائے یہی منقول ہے جسے ابن بطلہ وغیرہ نے اختیار کیا ہے۔

تیسری رائے یہ ہے کہ ایسے شخص کو کافر قرار نہیں دیا جائے گا الا یہ کہ وہ نماز چھوڑ دے اور امام احمد سے تیسری یہ رائے بھی منقول ہے۔ اور سلف میں بہت سے لوگوں کی یہی رائے ہے اور امام مالک کے بعض اصحاب اور امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے بعض اصحاب کی بھی یہی رائے ہے۔

چوتھی رائے یہ ہے کہ صرف نماز اور زکاۃ کے تارک کو کافر قرار دیا جائے گا۔

پانچویں رائے یہ ہے کہ نماز اور زکاۃ کے تارک کو کافر قرار دیا جائے گا مگر اس وقت جب حاکم وقت اس پر تارکین کے ساتھ لڑائی کرے اور روزے اور حج کے تارک پر کفر کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔“ (۲)

۱۔ مدارج السالکین، ج ۱، ص ۳۶۶، ۳۶۷۔ مفتاح السعادة، ص ۹۴۔

۲۔ دیکھیے: مجموع الفتاویٰ، ج ۷، ص ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۳۰۳، نیز دیکھیے: ج ۲۰، ص ۹۷، ۹۶۔

تارک نماز کا حکم

جو شخص منہ سے نماز کی فرضیت کا انکار نہیں کرتا مگر عملاً اتنی سستی کرتا ہے کہ اکثر و بیشتر نماز پڑھتا ہی نہیں ہے تو ایسا شخص کفر کا مرتکب ہوتا ہے یا نہیں یا دوسرے لفظوں میں کیا ایسے شخص کو کافر قرار دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں سلف سے خلف تک ہمیشہ اختلاف رہا ہے جیسا کہ پیچھے امام ابن تیمیہؒ کے حوالے سے ہم نے ذکر کیا ہے۔ اس سلسلہ میں اہل علم کے مزید اقوال ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

۱۔ امام نوویؒ بیان فرماتے ہیں:

”جو شخص نماز کی فرضیت کا عقیدہ رکھنے کے باوجود سستی سے نماز نہیں پڑھتا، اس کے بارے میں ہمارا (شافعیوں کا) موقف یہ ہے کہ اسے قتل کیا جائے گا مگر یہ قتل کی سزا اسے کافر و مرتد قرار دیتے ہوئے نہیں دی جائے گی بلکہ ترک نماز کی حد کے طور پر یہ سزا دی جائے گی۔ امام مالکؒ اور سلف و خلف میں سے اکثر اہل علم کی اس مسئلہ میں یہی رائے ہے۔ ایک گروہ کا موقف یہ ہے کہ ایسے شخص کو کافر قرار دیا جائے گا اور اس پر مرتد کے احکام لاگو کیے جائیں گے، جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور عبد اللہ بن مبارکؒ اور اسحاق بن راہویہؒ کا بھی یہی نقطہ نظر ہے اور امام احمدؒ سے اس سلسلہ میں دو روایتیں ہیں جن میں سے زیادہ صحیح روایت اسی نقطہ نظر کی تائید کرتی ہے۔ ہمارے اصحاب میں سے منصور فقہیہ کی بھی یہی رائے ہے..... سفیان ثوریؒ، امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب اور کوفہ کے دیگر اہل علم اور امام مزنیؒ کی رائے یہ ہے کہ ایسا شخص کافر قرار نہیں دیا جائے گا اور نہ ہی اسے قتل کی سزا دی جائے گی، البتہ اسے تعزیری سزا دی جائے گی اور اس وقت تک قید رکھا جائے گا جب تک کہ وہ نماز پڑھنا شروع نہیں کر دیتا۔“^(۱)

۲۔ امام ابن قدامہؒ اس سلسلہ میں لکھتے ہیں:

”تارک نماز کو سزا (حد) کے طور پر قتل کیا جائے گا یا اسے اس کا کفر سمجھتے ہوئے قتل کیا جائے گا، اس سلسلہ میں (امام احمدؒ سے) مختلف روایات منقول ہیں۔ ایک روایت یہ نقل کی جاتی ہے کہ ایسے شخص کو مرتد قرار دے کر قتل کیا جائے گا اور پھر اسے نہ غسل دیا جائے گا، نہ کفن اور نہ ہی اسے مسلمانوں کے

قبرستان میں دفن کیا جائے گا اور نہ اسے مسلمانوں کا وارث تسلیم کیا جائے گا اور نہ مسلمان (اس کے رشتہ دار) اس کے وارث قرار پائیں گے۔ ابواسحاق بن شافعا اور ابن حامد نے یہی موقف اختیار کیا ہے اور یہی رائے حسن، شععی، ایوب سختیانی، اوزاعی، ابن مبارک، حماد بن زید، اسحاق اور محمد بن حسن وغیرہ کی ہے..... دوسری روایت امام احمد سے یہ منقول ہے کہ ایسے شخص کو مسلمان سمجھتے ہوئے بطور حد قتل کیا جائے گا، بالکل ایسے جس طرح شادی شدہ زانی کو قتل کی سزا دی جاتی ہے۔ ابن بطہ نے یہی رائے پسندیدہ اور بہتر قرار دی ہے اور اس سلسلہ میں ان لوگوں کی تردید کی ہے جو تارک نماز کو کافر قرار دیتے ہیں اور یہ بھی بیان کیا ہے کہ اس مسئلہ میں جنہلی مذہب (موقف) یہی ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور اکثر فقہاء بشمول ابوحنیفہ، مالک، اور شافعی کا یہی موقف ہے۔“^(۱)

۳۔ امام محمد بن نصر مروزیؒ بیان فرماتے ہیں کہ

”جو لوگ تارک نماز کو کافر قرار دیتے ہیں، ہم نے ان کی رائے اور جن دلائل سے وہ استدلال کرتے ہیں، انہیں بیان کر دیا ہے اور یہی مذہب و موقف جمہور محدثین کا ہے، البتہ محدثین میں ایک جماعت ایسی بھی ہے جس نے اس مسئلہ میں تارک نماز کو کافر قرار دینے سے انکار کیا ہے، ماسوائے اس صورت میں کہ جب تارک نماز تکبر اور اور انکار کرتے ہوئے نماز چھوڑ دے۔“^(۲)

الْحُكْمُ بِغَيْرِ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ

دین و شریعت سے اعراض ہی کی ایک صورت یہ ہے کہ اللہ کے نازل کردہ دین کو قانونی سند دینے کی بجائے خود ساختہ نظاموں کو قانون کا درجہ دے دیا جائے۔ قرآن مجید میں اس کے لیے الْحُكْمُ بِغَيْرِ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔ اور اس کی بعض صورتوں کو کفر اور بعض کو ظلم اور فسق قرار دیا گیا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ لَّمْ يُحْكَمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْكٰفِرُونَ﴾ [سورة المائدة: ۴۴]

۱۔ المغنی، لابن قدامة، ج ۱، ص ۴۴۴، ۴۴۵۔

۲۔ تعظیم قدر الصلاة، للمروزی، ج ۲، ص ۹۳۶۔

”اور جو لوگ اللہ کی اتاری ہوئی وحی کے ساتھ فیصلہ نہ کریں وہ کافر ہیں۔“

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾ [سورة المائدة: ۴۵]

”اور جو لوگ اللہ کی اتاری ہوئی وحی کے ساتھ فیصلہ نہ کریں وہ ظالم ہیں۔“

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الفٰسِقُونَ﴾ [سورة المائدة: ۴۷]

”اور جو لوگ اللہ کی اتاری ہوئی وحی کے ساتھ فیصلہ نہ کریں وہ فاسق ہیں۔“

ان تینوں آیات میں کفر، ظلم اور فسق کو علیحدہ علیحدہ طور پر بیان کیا گیا ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دین و شریعت کے مطابق فیصلہ اور حکم و قانون نافذ نہ کرنا بعض صورتوں میں کفر ہے اور بعض میں کفر نہیں ہے۔ جن صورتوں میں اسے کفر قرار دیا جاسکتا ہے، ان میں سے ایک صورت تو یہ ہو سکتی ہے کہ انسان اللہ کے حکم کو غیر ضروری اور غیر مفید سمجھے اور اس کے مقابلہ میں کسی بھی دنیوی قانون اور نظام کو اس سے بہتر سمجھے اور اس کے پیچھے جو مرضی سوچ کا فرما ہو، خواہ یہ سوچ کا فرما ہو کہ قرآن و سنت کے مقابلہ میں کوئی دنیوی قانون اس سے زیادہ بہتر اور انسانی مفادات کا زیادہ محافظ ہے، یا یہ کہ حالات کی مناسبت سے اس دنیوی قانون میں زیادہ فوائد ہیں، وغیرہ وغیرہ۔

یا اس کے نزدیک حکم اللہ (شریعت کا قانون) اور غیر حکم اللہ (خلاف شریعت قانون) دونوں مساوی ہوں یعنی دونوں کو وہ قانونی حیثیت دینے کے لیے تیار ہو، بعض قوانین و احکام شریعت سے لے لے اور بعض دیگر انسانی دساتیر سے۔ اور اس طرح دونوں کو ایک دوسرے میں مٹا کر اور خلط ملط کر لے تو یہ بھی کفر اکبر ہی ہے۔ یا یہ کہ وہ غیر اللہ کے حکم کو بہتر تو نہ سمجھتا ہو مگر یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ بعض مسائل میں غیر اللہ کے حکم کو قانونی درجہ دیا جاسکتا ہے خواہ وہ قرآن و سنت کے صریح منافی ہی کیوں نہ ہوں۔

یہ سب کفر اکبر کی صورتیں ہیں جب کہ اس کے علاوہ باقی صورتوں کو کفر قرار نہیں دیا جائے گا جن میں خواہشات نفس کے ہاتھوں مجبور ہو کر، یا کسی مادی غرض کی خاطر، یا کسی کی دوستی یا دشمنی کے پیش نظر یا ایسی ہی کسی اور وجہ سے شریعت کے خلاف فیصلہ، قانون یا حکم نافذ کیا جائے تو ایسی ہر صورت فسق اور ظلم وغیرہ کے زمرہ میں شمار ہوگی جسے کفر اصغر بھی کہا جاسکتا ہے مگر اس پر کفر اکبر کا اطلاق نہیں کیا جائے گا۔



تکفیر اور عمومی ضابطے

- ۱۔ کلمہ گو مسلمان کو کافر کہنے میں سخت احتیاط
- ۲۔ ظاہری حالت کا اعتبار اور حسن ظن
- ۳۔ تکفیر کے موانع اور عذر
- ۴۔ عمل کفر اور کافر میں فرق
- ۵۔ تکفیر سے پہلے اتمام حجت
- ۶۔ تکفیر معین اور تکفیر مطلق
- ۷۔ تکفیر ہر فرد کا کام نہیں
- ۸۔ تکفیر، توبہ اور قتل و قتال



۱۔ کلمہ گو مسلمان کو کافر کہنے میں سخت احتیاط

کسی مسلمان کو کافر قرار دینا کوئی چھوٹی بات نہیں ہے۔ اس کا اندازہ اس حدیث سے کیا جاسکتا ہے جس میں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((إِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِأَخِيهِ يَا كَافِرًا فَقَدْ بَاءَ بِهِ أَحَدَهُمَا))^(۱)

”جب کوئی آدمی اپنے مسلمان بھائی کو کہے: اے کافر! تو کفر کی یہ بات ان دونوں میں سے کسی ایک پر لوٹ آتی ہے۔“

یہی بات بعض روایات میں اس طرح ہے:

((أَيْمَانُ امْرِئٍ قَالٍ لِأَخِيهِ يَا كَافِرًا فَقَدْ بَاءَ بِهَا أَحَدُهُمَا إِنْ كَانَ كَمَا قَالَ وَالْأَوَّلُ رَجَعَتْ عَلَيْهِ))

”جس شخص نے اپنے مسلمان بھائی کو کافر کہا تو یہ کفر ان دونوں میں سے کسی ایک پر لوٹ گا۔ یا تو وہ کافر ہی ہوگا جیسا کہ کہنے والے نے کہا ہے یا پھر کلمہ کفر اس پر لوٹ آئے گا (جس نے دوسرے کو کافر کہا تھا)۔“^(۲)

اس حدیث کا ایک مفہوم تو بالکل ظاہر ہے کہ جب ایک شخص دوسرے کو کافر کہے تو دونوں میں سے کوئی ایک کافر ضرور ہے، یا تو وہ جسے کافر کہا جا رہا ہے یا پھر وہ جو کفر کا حکم لگا رہا ہے۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ اگر ایک شخص کافر نہیں تو اسے کافر کہنے والا اس بات سے خود کافر نہیں ہو جاتا بلکہ اس پر جو چیز لوٹ کر آتی ہے، وہ اس تہمت کا گناہ ہے جو اس نے دوسرے پر لگائی ہے۔ اور یہی مفہوم جمہور اہل علم نے بیان کیا ہے۔ اور اتنی بات تو بہر حال دونوں صورتوں میں واضح ہے کہ کسی کو کافر کہنا چھوٹی بات نہیں ہے۔

۱۔ بخاری، کتاب الادب، باب من اکفر احاه بغیر تاویل فیہو کما قال۔ مسلم، کتاب الايمان، باب بیان حال من قال لاحیه المسلم کافر۔ ایک روایت میں ہے کہ ((وَمَنْ زَمَى مُؤْمِنًا بِكُفْرٍ فَهُوَ كَقَتْلِهِ)) ”کسی مسلمان کو کافر کہنا اسے قتل کرنے کے برابر ہے“۔ بخاری، ج ۶۱۰۵۔

۲۔ مسلم، کتاب الايمان، باب بیان حال من قال لاحیه المسلم یا کافر۔

اس سلسلہ میں ایک اور حدیث ملاحظہ کریں:

”حضرت ابو ہریرہؓ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا، آپ نے ارشاد فرمایا کہ بنی اسرائیل میں دو آدمی تھے جو بھائی بنے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک گنہگار تھا اور دوسرا خوب عبادت گزار تھا۔ یہ عبادت گزار دوسرے کو ہمیشہ گناہ ہی کی حالت میں دیکھتا اور اسے گناہ سے باز آنے کا کہتا۔ ایک مرتبہ جب اس نے اسے گناہ کی حالت میں دیکھا تو اس سے کہنے لگا کہ باز آ جا۔ اس نے آگے سے جواب دیا کہ آپ میرا اور میرے رب کا معاملہ چھوڑ دیجیے، کیا آپ مجھ پر داروغہ مقرر ہوئے ہیں؟ تو عبادت گزار نے کہا: اللہ کی قسم! اللہ تمہیں نہیں بخشے گا۔ یا اس نے کہا کہ اللہ تمہیں جنت میں داخل نہیں کرے گا۔ پھر اللہ نے ان دونوں کی روحیں قبض کر لیں اور وہ دونوں اللہ کی بارگاہ میں پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے عبادت گزار سے کہا کیا تم مجھے جانتے ہو؟ کیا تمہیں معلوم ہے میرے ہاتھوں میں کتنی قدرت ہے؟ اور پھر گنہگار سے اللہ نے کہا کہ جاؤ میری رحمت سے میری جنت میں داخل ہو جاؤ۔ اور اس عبادت گزار سے کہا کہ جاؤ آگ میں چلے جاؤ“ (۱)

تکفیر میں احتیاط ہی کا ایک پہلو یہ ہے کہ کسی شخص معین کو کافر کہنے کی بجائے اس طرح کہا جائے کہ جس نے فلاں کام کیا وہ کافر ہے۔ اس کی تفصیل آگے ’تکفیر مطلق اور تکفیر معین‘ کے تحت آئے گی۔

۲۔ ظاہری حالت کا اعتبار اور حسن ظن

اسلام میں ظاہری حالت کو اصل قرار دیا گیا ہے اور دوسروں کے بارے میں ان کی ظاہری حالت کے مطابق بات کرنے اور ظاہری حالت ہی کو معتبر سمجھنے اور حسن ظن رکھنے کی تلقین کی گئی ہے جیسا کہ معروف اصولی اور شہرہ آفاق کتاب اَلْمَوْافَقَاتِ کے مؤلف امام شاطبیؒ بیان فرماتے ہیں:

”احکام شریعت کے لحاظ سے بالخصوص اور عقائد کے لحاظ سے بالعموم یہ بات قطعی طور پر طے شدہ ہے کہ ظاہری حالت کے مطابق حکم لگانا ہی اصل ہے۔ سید البشر ﷺ کو اگر چہ وحی کے ذریعے معلومات ہو جاتی تھیں لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ منافقین وغیرہ کے حوالے سے ظاہری احکام کی رعایت

۱۔ ابو داؤد، کتاب الادب، باب فی النهی عن البعی۔

کرتے تھے جبکہ آپ ان کے باطن کے بارے میں جان چکے تھے لیکن اس کے باوجود منافقین سے ظاہری احکام کی تحفیذ کی روش میں فرق نہیں کیا گیا۔ یہ کہنا غلط ہے کہ منافقین پر ان کے نفاق کے مطابق سلوک نہ کرنے کی وجہ اور علت یہ تھی کہ نبی کریم ﷺ نے اس بارے میں اس خوف کا اظہار فرمایا تھا کہ 'لوگ کہیں گے کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کرتا ہے۔ یہ علت نہیں تھی بلکہ اس کی علت کچھ اور ہے اور اگر وہ علت نہ ہوتی تو پھر منافقین کو قتل کرنے میں بھی کوئی حرج نہ ہوتا۔

ظاہری احکام کے حوالے سے (ہماری طرف سے) جو رائے اختیار کی گئی ہے، اس کی تائید میں (منافقین کے ساتھ نبی کریم ﷺ کے طرز عمل کی) یہ دلیل سب سے بڑی دلیل ہے۔ کیونکہ اگر یہ (ظاہر پر اعتماد کرنے کی بجائے کسی باطنی امر پر اعتماد کر لینے کا) دروازہ کھول دیا جاتا تو پھر ظاہری معاملات کی حفاظت کا سارا نظام ہی فیل ہو جاتا۔ جس شخص کا قتل کسی ظاہری سبب کی بنیاد پر ہوتا ہے، اس کے قتل کی وجہ اور علت بھی بالکل ظاہر ہوتی ہے اور جسے کسی ظاہری سبب کی بجائے محض غیبی امر کی بنیاد پر قتل کر دیا جائے تو اس سے دلوں میں وسوسے پیدا ہوتے اور ظاہری طور پر معاملات میں خرابی پیدا ہوتی ہے۔ اس لیے شریعت میں یہی بہتر سمجھا گیا کہ اس دروازے (یعنی ظاہر پر اعتبار کی بجائے باطن پر اعتماد کرنے کے دروازے) کو کھلی طور پر بند کر دیا جائے۔ [اور اس کی جگہ ظاہر پر اعتماد کرنے کے دروازے کو کھولا جائے] ^(۱)

مطلب یہ کہ اصل چیز ظاہر ہے اور اسلام میں اصل اور ظاہری چیز اسلام ہے، کفر نہیں۔ جو شخص کلمہ پڑھ لیتا ہے وہ دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتا ہے۔ اب اگر اس کے دل میں کفر ہے، تو ہم اس پر شک نہیں کریں گے اور نہ ہی اس کے کافر ہونے کا حکم لگائیں گے بلکہ اس کی ظاہری حالت کے مطابق اسے مسلمان ہی کہیں گے اور اس کے ساتھ مسلمانوں والا سلوک ہی کیا جائے گا اور ایک اسلامی حکومت میں ایسے شخص کو کلمہ پڑھ لینے کے بعد وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جو ایک مسلمان کو حاصل ہوتے ہیں، جس طرح کہ نبی کریم ﷺ کے دور میں منافقین کے ساتھ ان کی ظاہری حالت کے مطابق مسلمانوں والا سلوک ہی کیا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ ان کی وراثت، نکاح اور دیگر معاملات میں بھی کبھی یہ نہیں کہا گیا کہ یہ چونکہ منافق ہیں، اس لیے ان کے

۱۔ الموافقات، للشاطبی، ج ۲، ص ۲۷۱، ۲۷۲۔

احکام مسلمانوں والے نہیں ہوں گے۔ عبد اللہ بن ابی بکر منافق تھا، مگر بظاہر مسلمان تھا، اس لیے اس کے ساتھ مسلمانوں والا برتاؤ کیا گیا، حتیٰ کہ اس کا بیٹا (اس کا نام بھی عبد اللہ تھا) جو بچکا مسلمان تھا، وہ اپنے منافق باپ کی وراثت کا حقدار قرار دیا گیا اور اس نے باپ کی وراثت حاصل بھی کی۔

اہل علم نے ظاہری حالت کو معتبر قرار دینے کے لیے مذکورہ بالا دلیل کے علاوہ کئی اور دلائل سے بھی استدلال کیا ہے، ان میں سے چند ایک ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

۱۔ قرآن مجید میں ہے کہ

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَتَبَيَّنُوا وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْفَىٰ إِلَيْكُمْ السَّلَامَ لَسْتُ مُؤْمِنًا تُبْتَعُونَ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللَّهِ مَعَانِمٌ كَثِيرَةٌ كَذَلِكَ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوا إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا﴾ [سورة النساء: ۹۴]

”اے ایمان والو! جب تم زمین میں سفر کرو تو تحقیق کر لیا کرو اور جو تمہیں سلام کہے اسے یہ مت کہو کہ تم مسلمان نہیں ہو۔ کیا تم دنیا کی زندگی کا سامان چاہتے ہو، پس اللہ کے پاس بہت غنائم ہیں۔ تم اس سے پہلے بھی اسی طرح کے تھے اور اللہ نے تم پر احسان کیا پس تحقیق کر لیا کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ اس چیز کی خبر رکھتا ہے، جو تم کرتے ہو۔“

بعض روایات میں آتا ہے کہ کچھ صحابہ ایک علاقے سے گزرے جہاں ایک چرواہا بکریاں چرا رہا تھا۔ جب اس نے مسلمانوں کے لشکر کو اس طرف آتا دیکھا تو انہیں سلام کہا (جو کہ مسلمانی کی ایک علامت اور شعار ہے) تو بعض صحابہ سمجھے کہ شاید اس نے ہم سے اپنی جان بچانے کے لیے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کیا ہے، چنانچہ انہوں نے اس شک کی بنیاد پر اسے قتل کر دیا اور اس کی بکریاں لے کر نبی کریم ﷺ کے پاس آ گئے تو اس واقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی۔^(۱)

اس آیت میں اس فعل کی مذمت کی گئی ہے اور خود نبی کریم ﷺ نے بھی ان صحابہ کی مذمت کی جنہوں نے چرواہے کو شک کی بنیاد پر قتل کر دیا اور اس کی ظاہری حالت کا اعتبار نہیں کیا تھا۔

۱۔ بخاری، کتاب التفسیر، تفسیر سورة النساء۔ ترمذی، ایضاً۔

۲۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

”ہمیں اللہ کے رسول ﷺ نے ایک جنگی مہم کے لیے بھیجا۔ جب ہم نے وہاں شب خون مارا، تو میں نے ایک آدمی پر کنٹرول پایا، اس نے کہا: لا الہ الا اللہ، مگر میں نے اسے نیزے سے قتل کر دیا۔ پھر میرے دل میں اس کے بارے میں شبہ پیدا ہو گیا چنانچہ میں نے یہ بات نبی کریم ﷺ کے سامنے بیان کی تو آپ ﷺ نے (ڈانٹتے ہوئے) فرمایا: جب اس نے لا الہ الا اللہ پڑھا تو پھر بھی تم نے اسے قتل کر دیا؟! میں نے کہا: یا رسول اللہ! اس نے اسلحہ کے خوف کی وجہ سے کلمہ پڑھا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((أَفَلَا شَقَّقْتُ عَنْ قَلْبِهِ حَتَّى تَعْلَمَ أَقَالَهَا أَمْ لَا))

تم نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھ لیا کہ تمہیں یقینی طور پر معلوم ہو جاتا کہ اس نے دل سے کلمہ پڑھا تھا یا نہیں؟! آپ ﷺ نے یہ بات بار بار کہی حتیٰ کہ میں تمنا کرنے لگا کہ کاش میں آج مسلمان ہوا ہوتا۔“^(۱) [تا کہ اس غلطی کا ارتکاب مجھ سے نہ ہوا ہوتا۔]

یہاں یہ قرینہ موجود تھا کہ اس شخص نے اسلحہ اور موت کے ڈر سے کلمہ پڑھا ہوگا، تجھی تو صحابی نے اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے یہی عذر پیش کیا کہ اس نے موت کے ڈر سے کلمہ پڑھا ہوگا۔ اگر یہ شبہ نہ ہوتا تو صحابی اس شبہ کو پیش نہ کرتے، یہ الگ بات ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس شبہ اور شک کو بنیاد نہیں بنایا اور نہ ہی صحابی کی اس بات کو قبول کیا بلکہ اسے ڈانٹتے ہوئے فرمایا کہ کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھ لیا تھا؟! لہذا اس حدیث سے بھی یہی بات معلوم ہوئی کہ عام حالات میں کسی شخص کے مسلمان ہونے کا اعتبار کرنے کے لیے یہی بات کافی ہے کہ وہ کلمہ کا اقرار کرتا ہو۔

۳۔ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

”میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھا کہ اگر میرا اور کسی مشرک کا میدان جہاد میں آنا سامنا ہو جائے اور وہ میرا بازو کاٹ دے اور جب میں اس پر قابو پا لوں تو وہ لا الہ الا اللہ پڑھے تو کیا پھر میں

۱۔ مسلم، کتاب الایمان، باب تحريم قتل الکافر بعد قوله لا اله الا الله۔ بخاری، کتاب الديات، باب قول الله

تعالیٰ: ومن احياها فکانما.....

اسے قتل کروں یا چھوڑ دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا بلکہ اسے چھوڑ دو۔“^(۱)

اس حدیث پر امام ابن مندہ نے اپنی کتاب 'الایمان' میں یہ باب (عنوان) قائم کیا ہے:
 ”اس چیز کا بیان کہ جو شخص لا الہ الا اللہ پڑھے، اس کے لیے اسلام کی نسبت واجب ہو جاتی ہے اور
 اس کا مال اور اس کی جان محفوظ ہو جاتی ہے۔“^(۲)

۴۔ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:
 ”جس شخص نے کلمہ پڑھا، ہمارے قبلہ کی طرف منہ کیا اور ہماری نماز کی طرح نماز پڑھی اور ہمارا ذبیحہ
 کھایا تو وہ مسلمان ہے“^(۳) [بعض روایات میں ہے کہ] اور اسے وہ حقوق حاصل ہوں گے جو مسلمانوں
 کو حاصل ہیں اور اس کے ذمہ وہ فرائض عائد ہوں گے جو دیگر مسلمانوں کے ذمہ عائد ہوتے ہیں۔“

۵۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:
 ((أَمْرُكَ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَشْهَلْتُوا أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنْ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ وَيَقْبِلُوا
 الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ فَإِذَا فَعَلُوا ذَلِكَ عَصَمُوا مِنِّي دِمَائِهِمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّ الْإِسْلَامِ
 وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللَّهِ))^(۴)

”مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں کے ساتھ لڑائی کروں یہاں تک کہ وہ یہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا
 کوئی معبود برحق نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور وہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں۔ لہذا
 جب لوگ ایسا کر لیں گے تو وہ اپنے خون اور اموال مجھ سے محفوظ کر لیں گے سوائے اس کے کہ جو اسلام
 کا حق ہے، اور ان کا (اعتقادی) حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔“

- ۱۔ بخاری، کتاب المغازی۔ کتاب الدیات، باب قوله تعالى: ومن يقتل مومنا متعمدا..... فتح الباری، ج ۷، ص ۳۲۱۔ مسلم، کتاب القسامۃ، باب المجازاة بالدماء فی الآخرة، ح ۱۶۷۸۔
- ۲۔ الایمان، لابن مندہ، ج ۱، ص ۱۹۸۔
- ۳۔ نسائی، الایمان، باب صفة المسلم۔ بخاری، صلاة، باب فضل استقبال القبلة۔ مسلم، الایمان، ح ۲۲۔
- ۴۔ بخاری، کتاب الایمان، باب فان تابوا واقاموا الصلاة واتوا الزکوٰۃ فخلوا سبیلهم، ح ۲۵۔ مسلم، کتاب الایمان، باب الامر بقتال الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللہ، ح ۳۶۔ ۲۲۔

امام بنوئیؒ بیان فرماتے ہیں کہ

”یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ لوگوں کے معاملات آپس میں ظاہر کے مطابق چلیں گے نہ کہ باطن کے مطابق۔ جس شخص نے دین کے شعار میں سے کوئی چیز ظاہر کی اس پر مومن کا حکم لگے گا اور اس کے باطن کو کھولنے کی کوشش نہیں کی جائے گی۔ اگر کہیں کئی ایک مقتول شخص ہوں اور دولاشیں ایسی ہوں جو بے ختنہ لوگوں کی ہیں اور ان کے درمیان میں ایک لاش مختون (ختنہ شدہ) شخص کی ہو، تو اس شخص کو (ختنہ کی وجہ سے مسلمان سمجھتے ہوئے) کافروں سے نکال کر الگ دفن کیا جائے گا۔ اسی طرح اگر مسلمانوں کے کسی ملک میں کوئی بچہ گم شدہ ملے تو اس بچے کو مسلمانوں کا بچہ قرار دیا جائے گا۔“^(۱)

یاد رہے کہ اگر کسی شخص سے کفر کا اظہار ہو تو اس کی فوراً یہ کہہ کر تکفیر نہیں کر دی جائے گی کہ اس سے کفر ظاہر ہوا ہے، اس لیے اس کی ظاہری حالت اس کی تکفیر کا مطالبہ کرتی ہے، بلکہ اس کے بارے میں یہ حسن ظن رکھتے ہوئے کہ یہ مسلمان ہے، اللہ کو، نبی کو، اور قرآن کو ماننے والا ہے، یہ خیال کیا جائے گا کہ اس سے غلطی سے یا جہالت سے یا تاویل وغیرہ کی وجہ سے کفر کا اظہار ہوا ہوگا۔ یعنی اس کے کفر پر ہمیں ابھی شک ہے، یقین نہیں جب کہ اس کے اسلام لانے اور مسلمانوں کی صف میں شامل ہونے پر ہمیں (اس کفر ظاہر ہونے سے) پہلے سے یقین ہے، شک نہیں ہے۔ لہذا جہاں یقین اور شک کا ٹکراؤ ہو تو وہاں یقین کو شک پر ترجیح دی جاتی ہے اور یہ تو پھر بھی تکفیر کا مسئلہ ہے جو پہلے ہی بہت احتیاط کا متقاضی ہے، لہذا یہاں اس پہلو کو ترجیح دی جائے گی جو اسلام اور امت کے ساتھ جوڑتا ہو، نہ کہ اس پہلو کو جو اسلام اور امت سے کاٹنے والا ہو۔

۳۔ تکفیر کے موانع اور عذر

مسئلہ تکفیر کی نزاکت اور اس سلسلہ میں احتیاط کے پیش نظر علماء اسلام نے ہمیشہ کچھ چیزوں کو تکفیر میں رکاوٹ اور مانع قرار دیا ہے اور تقریباً اتفاق رائے کے ساتھ اس بات کو بارہا یاد ہرایا ہے کہ ان موانع کی موجودگی میں کسی شخص کے واضح ترین کفر کے ارتکاب کے باوجود اسے کافر قرار نہیں دیا جائے گا۔ یہ موانع بنیادی طور پر چار ہیں یعنی:

۱۔ جہالت اور لاعلمی،

۱۔ شرح السنۃ، ج ۱، ص ۷۰۔

۲۔ خطا اور غلطی

۳۔ تاویل

۴۔ جبر و اکراہ کی حالت۔

اگر کوئی شخص ان چار حالتوں میں سے کسی حالت کے ساتھ کفر کا ارتکاب کرتا ہے تو اس پر کفر کا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔ اگرچہ اس مسئلہ میں بعض اہل علم نے یہ رائے اختیار کی ہے کہ عقائد و ایمانیات (اصول) میں ان موانع کو بطور عذر قبول نہیں کیا جاسکتا، البتہ فروع (فقہ وغیرہ) میں یہ عذر قابل قبول ہے، لیکن زیادہ تر اہل علم نے عقائد اور فقہ (یعنی اصول و فروع) دونوں میں ان موانع کو بطور عذر تسلیم کیا ہے اور ہماری رائے میں یہی موقف دلائل کے اعتبار سے وزنی ہے۔ علاوہ ازیں تکفیر کے مسئلہ میں احتیاط کا پہلو بھی اسی چیز کا تقاضا کرتا ہے۔ اس کے علاوہ دیگر عمومی دلائل مثلاً اختلاف و تفرقہ بازی میں اعتدال، دوسروں کے ایمان کے بارے میں حسن ظن وغیرہ سے بھی اسی موقف کی تائید ہوتی ہے۔

علاوہ ازیں روزمرہ زندگی میں بھی ہم اس حقیقت کا اعتبار کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص غلطی، لاعلمی، جہالت یا انتہائی مجبوری کی وجہ سے کسی غلطی کا ارتکاب کرتا ہے تو اسے معذور سمجھا جاتا ہے اور اس کی اس طرح ملامت نہیں کی جاتی جس طرح ایسے شخص کی کی جاتی ہے جو جانتے بوجھے غلطی کرتا ہے۔

لہذا تکفیر کے مسئلہ میں ان چاروں چیزوں کو رکاوٹ قرار دیا جائے گا اور ان کی موجودگی میں صریح کفر کے مرتکب کو بھی اس وقت تک کافر قرار نہیں دیا جائے گا جب تک کہ اس پر حجت قائم نہ کر دی جائے۔ آئندہ صفحات میں (باب ۴ کے تحت) ان چاروں موانع پر تفصیلی بات کی جائے گی، ان شاء اللہ!

۴۔ عمل کفر اور کفر میں فرق

اگر کوئی شخص عمل کفر کا مرتکب ہو تو ضروری نہیں کہ اس عمل کی وجہ سے وہ کافر بھی ہو چکا ہو۔ مثلاً ایک شخص دین کے کسی ایسے یقینی اور قطعی حکم کی صاف خلاف ورزی کرتا ہے جس کی خلاف ورزی متفقہ طور پر کفر ہو، تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ بندہ اس عمل کی وجہ سے کافر ہو گیا ہے یا اس پر کفر کا فتویٰ لگا دیا جائے گا، اس لیے کہ ہو سکتا ہے کہ اس نے یہ عمل جہالت کی وجہ سے کیا ہو اور اسے علم ہی نہ ہو کہ یہ کفر کی بات ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ کسی تاویل کی بنیاد پر ایسا کر رہا ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ غلطی کی وجہ سے اس سے کفر یہ عمل

سرزد ہوا ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر اہل جبر کی وجہ سے وہ کفر کا ارتکاب کر رہا ہو۔ اور ان چاروں صورتوں یعنی جہالت، تاویل، غلطی اور اگر اہل میں کسی شخص پر کفریہ کام کے ارتکاب کے باوجود کافر ہونے کا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔ اسی لیے بہت سے اہل علم اس بات کا فرق بیان کرتے ہیں کہ عمل کفر اور کافر میں فرق ہوتا ہے۔ بعض لوگ اس نکتے کو سمجھ نہیں پاتے اور نتیجتاً وہ ہر ایسے شخص کو فوراً کافر کہہ دیتے ہیں جس سے کسی کفریہ قول یا فعل کا اظہار ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ روئے سراسر غلط ہے۔

۵۔ تکفیر سے پہلے اتمامِ حجت

کسی شخص کی تکفیر سے پہلے یہ بھی ضروری ہے کہ اسے اس کے کفر کے بارے میں بتایا جائے۔ اگر وہ جہالت اور لاعلمی کی وجہ سے کفر کا مرتکب ہوا ہے تو ظاہر ہے وہ فوراً توبہ کر لے گا۔ اگر وہ تاویل کی بنیاد پر کفریہ کام کر رہا ہے تو اس کی اس تاویل کا جائزہ لے کر اس تاویل کی کمزوری دور کرنے کی کوشش کی جائے گی اور اس سلسلہ میں اس کے ذہن میں پائے جانے والے شبہات کا احسن طریقہ سے ازالہ کی کوشش کی جائے گی۔ اگر وہ غلطی سے ایسا کر رہا ہے تو اس کی غلطی دور کرنے کی کوشش کی جائے گی اور اگر اگر اہل کی صورت میں اس نے کفر کا ارتکاب کیا ہے تو پھر اس کی تکفیر سے پہلے اس چیز کو بھی مد نظر رکھا جائے گا۔ ہمارے ہاں ایک عجیب رویہ یہ پایا جاتا ہے کہ کسی شخص کی غلط بات پر، خواہ وہ عقائد سے تعلق رکھتی ہو، یا عبادات سے یا معاملات سے، اس پر کفر کا فتویٰ لگانے میں دیر نہیں کی جاتی اور بجائے اس کے کہ اسے احسن طریقے سے تبلیغ کی جائے اور دینی مسئلہ سمجھانے کی کوشش کی جائے، الٹا اسے دین سے باغی بنانے اور متنفر کرنے کی صورت حال پیدا کر دی جاتی ہے۔

۶۔ تکفیر معین اور تکفیر مطلق

تکفیر معین کا مطلب ہے کسی خاص شخص کا نام لے کر یا اس کی طرف اشارہ کر کے یا اسے مخاطب کرتے ہوئے اس پر کفر کا حکم لگانا۔ جب کہ تکفیر مطلق کا مطلب ہے کسی کفریہ عمل کے بارے میں عمومی انداز میں یہ بات کہنا کہ جس نے بھی یہ کام کیا وہ کافر ہو جائے گا۔

شریعت میں کئی ایک کاموں کو کفریہ کام قرار دیا گیا ہے اور وہ ایسے کفریہ کام ہیں کہ ان کے ارتکاب سے

ایک مسلمان بالاتفاق کافر ہو جاتا ہے۔ اسی لیے ایسے کاموں کے مرتکب کے حوالے سے مطلق اور عمومی انداز میں یہ بات کہی جاتی ہے کہ جس نے فلاں کام کیا وہ کافر ہو جائے گا۔

تکفیر مطلق کے بارے میں تو کوئی خاص اختلاف پیدا نہیں ہوتا لیکن تکفیر معین ایک اہم اور نازک مسئلہ ہے۔ اس لیے کہ ایک شخص کفر کا ارتکاب کرنے کے باوجود ضروری نہیں کہ کافر بھی ہو چکا ہو اور اس پر کفر کا حکم بھی لگا دیا جائے۔ اس لیے کہ یہ امکان بہر حال موجود ہے کہ اس نے تاویل، یا جہالت یا غلطی یا آکراہ کی صورت میں اس کفر کا ارتکاب کیا ہو۔ اس لیے تکفیر شخصی (معین) میں بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ اور جب تک نفس مسئلہ کا اور کفر کے مرتکب کی صورت حال کا پوری طرح علم نہ ہو جائے اور یہ واضح طور پر معلوم نہ کر لیا جائے کہ وہ کسی عذر کی وجہ سے کفر کا مرتکب نہیں ہوا تو تب تک اس پر کفر کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔ کیونکہ اگر وہ کسی ایسے عذر کے ساتھ کفر کا مرتکب ہوا ہے جس کا اعتبار ممکن ہے تو ایسی صورت میں اسے کافر قرار دینا اس کے ساتھ نا انصافی ہے۔ اسی طرح تکفیر سے پہلے اتمام حجت کرنا بھی ضروری ہے، تاکہ جس شخص کی تکفیر کی جارہی ہے، اسے معلوم ہو کہ وہ کفر کا مرتکب ہے اور اس طرح ممکن ہے کہ اسے توبہ کا موقع مل سکے اور وہ اپنے کفر سے تائب ہو جائے۔

۷۔ تکفیر ہر فرد کا کام نہیں

تکفیر کے سلسلہ میں ایک غلط رویہ یہ پایا جاتا ہے کہ ہر شخص اپنے علم کی بنیاد پر تکفیر کی ذمہ داری سنبھال لیتا ہے اور جسے اپنے محدود اور انفرادی علم کی بنیاد پر کافر سمجھتا ہے، اسے دائرہ اسلام سے خارج کرنا شروع کر دیتا ہے۔ حالانکہ دائرہ اسلام سے خارج کرنا اور لوگوں پر کفر کے حکم اور فتوے لگانا کوئی ایسی معمولی اور آسان بات نہیں ہے۔ ایک تو اس لیے کہ تکفیر کے مسئلہ میں نبی کریم ﷺ نے بہت زیادہ احتیاط کی تلقین کی ہے۔

دوسری بات یہ کہ تکفیر کے سلسلہ میں کئی ایک موانع پائے جاتے ہیں جن کی موجودگی میں عمل کفر کے مرتکب کو کفر کے باوجود کافر قرار نہیں دیا جاتا۔ لیکن ان موانع کا تعین کرنا، ان میں علمی اختلافات کی حدود کو نیک نیتی اور صحیح فہم کے ساتھ جاننا ہر شخص کے بس کی بات نہیں، بلکہ بہت سے پہلو ایسے پیچیدہ اور نازک بھی ہیں

کہ بڑے بڑے اہل علم بھی ہمیشہ وہاں احتیاط کرتے رہے ہیں اور ان کے بارے میں رائے زنی سے انہوں نے توقف کرنے ہی میں عافیت سمجھی ہے۔

میری رائے اس مسئلہ میں یہ ہے کہ اگر کسی شخص کی تکفیر کا مسئلہ پیدا ہو جائے تو اس کی تکفیر کے لیے اہل علم کو اجتماعی و مشاورتی انداز میں مسئلہ کی تمام صورتوں کا گہرائی سے جائزہ لے کر تکفیر یا عدم تکفیر کے بارے میں رائے قائم کرنی چاہیے۔ ورنہ جلد بازی اور انفرادی آراء کے اظہار سے معاشرے میں انتشار اور بد امنی کی کیفیت پیدا ہوگی اور افسوس کہ ہمارے معاشرے میں یہی کچھ ہو رہا ہے۔

۸۔ تکفیر، توبہ اور قتل و قتال

کسی شخص پر کافر کا حکم لگانے کا مطلب یہ نہیں کہ جو چاہے اس کے ساتھ لڑائی شروع کر دے یا اسے قتل کر دے۔ بلکہ اگر کوئی شخص کافر قرار پاتا ہے تو اسے مرتد کہا جاتا ہے اور اس سے حاکم وقت توبہ کا مطالبہ کرے گا اور اسے مہلت بھی دے گا۔ لیکن اگر وہ توبہ نہیں کرتا تو حکومت وقت ہی یہ اختیار رکھتی ہے کہ اسے قتل کی سزا دے۔ حکومت کے علاوہ کسی اور شخص یا گروہ کے لیے قانون ہاتھ میں لینا اور ایسے شخص کو قتل کرنا جس کے کفر کا حکم اور فتویٰ اگرچہ علماء کی اجتماعیت کی طرف سے دیا جا چکا ہو، درست نہیں ہے۔ لیکن اس کے باوجود اگر کوئی شخص انفرادی طور پر قانون کو ہاتھ میں لینے کی کوشش کرتا ہے تو وہ خوارج کی سنت پر عمل کرتا ہے جو ایک توہر کبیرہ گناہ کے مرتکب کو کافر کہتے تھے اور دوسری طرف جہاں موقع پاتے، ایسے مسلمانوں کو قتل بھی کرتے جنہیں وہ کافر سمجھتے تھے۔



موانع تکفیر

(مسلمان کو کافر قرار دینے سے روکنے والی چیزیں)

تکفیر (کسی کو کافر قرار دینے) کا مسئلہ نہایت نازک ہے، اس لیے کہ ایک مسلمان کے لیے اس سے بڑی گالی اور کوئی نہیں ہوگی کہ اسے کافر کہہ دیا جائے۔ اور اگر وہ کافر نہیں ہے تو پھر کافر کہنے والے نے مومن کو کافر کہہ کر خود ایک کفریہ عمل کا ارتکاب کر لیا ہے، خواہ اس کفریہ عمل کو کچھ اہل علم کے بقول کفر اکبر کہیں یا جمہور فقہاء کے بقول کفر اصغر، دونوں صورتوں میں خیر اسی میں ہے کہ تکفیر (کسی کو کافر قرار دینے) سے احتیاط کی جائے اور یہ یاد رکھا جائے کہ اس سلسلہ میں جتنی احتیاط کی جائے، اتنی کم ہے۔

شریعت میں تکفیر سے جتنی احتیاط کی تاکید کی گئی ہے، افسوس کہ ہمارے ہاں اتنی ہی اس میں بے احتیاطی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ ایک دوسرے کو کافر کہنا بعض مذہبی حلقوں میں دلچسپ مشغلہ سمجھا جاتا ہے۔ اور ان پڑھ جاہل جذباتی لوگ تو تکفیر کو شاید اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ ادھر عمل کفر دیکھا نہیں، ادھر تکفیر کا فتویٰ جاری کر دیا.....!!

تکفیر سے احتیاط ہی کا ایک پہلو ہے کہ علماء اسلام نے ہمیشہ کچھ چیزوں کو تکفیر میں رکاوٹ اور مانع قرار دیا ہے۔ اور جمہور اہل علم نے تقریباً اتفاق رائے کے ساتھ اس بات کو بار بار دہرایا ہے کہ ان موانع کی موجودگی میں کسی شخص کے واضح ترین کفر کے ارتکاب پر بھی اسے کافر قرار نہیں دیا جائے گا۔

یہ موانع بنیادی طور پر چار ہیں یعنی:

۱۔ جہالت اور لاعلمی

۲۔ خطا اور غلطی

۳۔ تاویل

۴۔ جبر و اکراہ کی حالت۔

آئندہ صفحات میں ان چاروں موانع پر تفصیل سے بات کی جائے گی، ان شاء اللہ!

جہالت اور لاعلمی

اگر کوئی شخص جہالت کی وجہ سے کفر کا ارتکاب کر بیٹھے تو اس پر کفر کا حکم نہیں لگایا جاسکتا کیونکہ کئی ایک دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت میں جہالت کو تکفیر کا مانع تسلیم کیا گیا ہے، اگرچہ اس مسئلہ میں بعض اہل علم نے یہ رائے اختیار کی ہے کہ عقائد و ایمانیات میں جہالت کا عذر قابل قبول نہیں، فروعیات (فقہ وغیرہ) میں یہ عذر قابل قبول ہے، لیکن زیادہ تر اہل علم نے عقائد اور فقہ (یعنی اصول و فروع) دونوں میں جہالت کے عذر کو تسلیم کیا ہے اور ہماری رائے میں یہی موقف دلائل کے اعتبار سے وزنی ہے اور تکفیر کے مسئلہ میں احتیاط کا پہلو بھی اسی چیز کا تقاضا کرتا ہے۔ اس کے علاوہ دیگر عمومی دلائل مثلاً اختلاف و تفرقہ بازی میں اعتدال، دوسروں کے ایمان کے بارے میں حسن ظن وغیرہ سے بھی اسی موقف کی تائید ہوتی ہے۔

علاوہ ازیں عام روزمرہ زندگی میں بھی ہم اس حقیقت کا اعتبار کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص جہالت کی وجہ سے کسی غلطی کا ارتکاب کرتا ہے تو اسے معذور سمجھا جاتا ہے اور اس کی اس طرح ملامت نہیں کی جاتی جس طرح ایسے شخص کی کی جاتی ہے جو جانتے بوجھے غلطی کرتا ہے۔

شریعت میں جہالت کے عذر کا اعتبار

آئندہ سطور میں ہم چند ایسے دلائل ذکر کر رہے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت میں عقائد اور غیر عقائد دونوں جگہ جہالت کا اعتبار کیا گیا ہے:

پہلی دلیل

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے عذاب کے سلسلہ میں یہ قاعدہ بیان کیا ہے کہ

﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا﴾ [سورۃ الاسراء: ۱۵]

”اور ہماری سنت یہ نہیں کہ رسول بھیجنے سے پہلے ہی عذاب کرنے لگیں۔“

اس لیے کہ نبی اور رسول ہی لوگوں کو بتاتے ہیں کہ دین و شریعت کیا ہے، خود اپنے آپ انسان اللہ کی

شریعت کے بارے میں نہیں جان سکتا، اور جب تک کسی قوم میں رسول نہ آیا ہو تب تک انہیں دین و شریعت سے جاہل تصور کیا جائے گا۔ اور اس جہالت کی حالت میں کیے گئے کفر اور دین و شریعت کی مخالفت پر اللہ تعالیٰ عذاب نہیں دیتے۔

دوسری دلیل

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے گزشتہ قوموں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ((كَانَ رَجُلٌ يُسْرِفُ عَلَى نَأْسِهِ، فَلَمَّا حَضَرَهُ الْمَوْتُ قَالَ لِنَبِيِّهِ: إِذَا أَنَا مِتُّ فَأُحْرِ قُوْنِي، ثُمَّ أَطْحَنُونِي، ثُمَّ ذَرُونِي فِي الرِّيحِ، فَوَاللَّهِ لَئِن قَدَّرَ اللَّهُ عَلَيَّ لَيُعَذِّبَنِي عَذَابًا مَا عَذَّبَهُ أَحَدًا، فَلَمَّا مَاتَ فُعِلَ بِهِ ذَلِكَ، فَأَمَرَ اللَّهُ الْأَرْضَ فَقَالَتْ: أَجْمِعِي مَا فِيكَ مِنْهُ، فَفَعَلَتْ فِإِذَا هُوَ قَائِمٌ، فَقَالَتْ: مَا حَمَلَكَ عَلَى مَا صَنَعْتَ؟ قَالَ: يَا رَبِّ! خَشَيْتُكَ، فَغَفِرَ لَهُ))^(۱)

”ایک شخص اپنی جان پر ظلم کرنے والا تھا، جب اس کی موت کا وقت آیا تو اس نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ جب میں مر جاؤں تو میری لاش کو جلا دینا اور (جب لاش جل کر کوئلہ بن جائے تو) اسے پیس کر راکھ بنا دینا اور پھر اس راکھ کو ہوا میں اڑا دینا۔ کیونکہ اللہ کی قسم! اگر اللہ نے مجھے پکڑ لیا تو اللہ تعالیٰ مجھے اتنا عذاب دیں گے جتنا کسی اور کو نہ دیا ہوگا۔

جب وہ مر گیا تو اس کے ساتھ اسی طرح کیا گیا جس طرح اس نے کہا تھا۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا کہ اس شخص کی لاش کو جمع کر کے حاضر کر دو تو زمین نے اللہ کی تابعداری کی اور وہ شخص زندہ ہو کر کھڑا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے پوچھا کہ اے میرے بندے! بتا تو نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے جواب دیا: ”یا اللہ! آپ کے خوف سے!“ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے (اس پر رحم کیا اور) اسے معاف فرمادیا۔“

یہی روایت حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور اس میں اس طرح مذکور ہے:

”اللہ تعالیٰ نے ایک شخص کو مال و دولت اور اولاد کی نعمت سے سرفراز کر رکھا تھا۔ جب اس کی موت کا وقت آیا تو اس نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ میں تمہارے لیے کس طرح کی حیثیت کا باپ تھا؟ بیٹوں نے کہا کہ آپ اچھے باپ کی حیثیت رکھتے تھے۔ اس نے کہا کہ میں اللہ کے ہاں نیکیوں کا ذخیرہ نہیں

۱۔ بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب (۵۴)، حدیث ۳۴۷۸، ۳۴۷۹۔ مسلم، کتاب التوبہ۔

کر سکا اور مجھے ڈر ہے کہ میں اللہ کے ہاں پہنچوں گا تو اللہ تعالیٰ مجھے عذاب دیں گے لہذا تم ایسا کرنا کہ جب میں مر جاؤں تو میری لاش کو جلادینا اور جب لاش جل کر کوئلہ بن جائے تو اسے پیس کر رکھ بنا دینا اور جس دن تندو تیز آندھی آئے اس دن اس رکھ کو آندھی میں اڑا دینا۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس شخص نے اس بات پر اپنے بیٹوں سے پختہ وعدہ لیا اور بخدا! اس کے بیٹوں نے اس کی موت کے بعد ایسا ہی کیا۔ مگر (جب وہ اللہ کے حضور پہنچا تو) اللہ تعالیٰ نے لفظ کُن (ہو جا) کہہ کر اسے زندہ فرما دیا اور وہ ایک آدمی کی شکل میں زندہ ہو کر کھڑا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے پوچھا کہ اے میرے بندے! بتا تو نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے جواب دیا: ”(یا اللہ!) آپ سے خوف کی وجہ سے!“ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس پر رحم کیا، (ایک اور روایت میں یہ بھی ہے کہ) اور اسے معاف فرما دیا۔“^(۱)

اس حدیث سے بہت سے اہل علم نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ جہالت کی وجہ سے کفر کے مرتکب کو کافر قرار نہیں دیا جاسکتا۔ چنانچہ امام ابن تیمیہؒ جنہوں نے اس حدیث سے جہالت کو تکفیر کا مانع اور عذر تسلیم کرتے ہوئے اپنی کتابوں میں جگہ جگہ استدلال کیا ہے، ایک جگہ بیان فرماتے ہیں:

”اس آدمی کا اللہ کے بارے میں یہ گمان تھا کہ اگر اس کی لاش کے اجزا بکھر جائیں گے تو اللہ انہیں جمع نہیں کر سکے گا کیونکہ اللہ کو اس کی قدرت نہیں ہے، حالانکہ یہ دونوں باتیں کفر ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ کو لاش جمع کرنے کی قدرت نہیں اور دوسری یہ کہ لوگوں کو روز حشر اٹھایا نہیں جائے گا، لیکن وہ شخص اس چیز سے جاہل ہونے کے ساتھ اللہ پر ایمان بھی رکھتا تھا اور اللہ کی خشیت بھی اس میں تھی، حالانکہ اپنے گمان میں وہ واضح طور پر غلطی پر تھا مگر اس کے باوجود اللہ نے اسے بخش دیا۔ اور یہ حدیث بھی اس مسئلہ میں بالکل واضح ہے کہ وہ شخص اس لالچ کے ساتھ ایسا کر رہا تھا کہ اسے اللہ اب زندہ نہیں کر سکے گا، یا تم از کم اسے دوبارہ زندہ کیے جانے (معاد) کے بارے میں شک تو ضرور تھا اور یہ شک بھی کفر ہے کیونکہ جب نبیوں کی طرف سے حجت قائم کر دی جاتی ہے تو پھر آخرت کے منکر پر کفر کا حکم لگتا ہے۔“^(۲)

اس حدیث کے حوالے سے علامہ ابن عبدالبر مالکیؒ لکھتے ہیں کہ

۱۔ بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب (۵۴)، حدیث ۳۴۷۸، ۳۴۷۹۔

۲۔ مجموع الفتاویٰ، ج ۱۱، ص ۴۰۹۔

”اس آدمی کی اللہ کی صفات میں سے صفتِ قدرت اور صفتِ علم سے جہالت نے اسے ایمان سے خارج نہیں کیا“۔^(۱)

اسی طرح ابن قیمؒ بیان فرماتے ہیں کہ ”جو شخص کسی فرض یا واجب چیز کا جہالت یا تاویل کی وجہ سے انکار کرتا ہے، اسے معذور سمجھا جائے گا اور اس پر کفر کا حکم نہیں لگایا جائے گا“۔^(۲)

تیسری دلیل

حضرت ابو واقد لیشی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

((خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى حُنَيْنٍ وَنَحْنُ حَدِيثُ عَهْدٍ بِكُفْرٍ وَكَاثُرًا أَسْلَمُوا يَوْمَ الْفَتْحِ قَالَ: فَمَرَرْنَا بِشَجَرَةٍ قُلْنَا: يَا رَسُولَ اللَّهِ اجْعَلْ لَنَا ذَاتَ أَنْوَاطٍ كَمَا لَهُمْ ذَاتَ أَنْوَاطٍ وَكَانَ لِلْكَافِرِ سَلْبَةٌ يُعْكِفُونَ حَوْلَهَا وَيُعْلِقُونَ بِهَا أَسْلِحَتَهُمْ يَدْعُونَهَا ذَاتَ أَنْوَاطٍ فَلَمَّا قُلْنَا ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ قَالَ: أَلَلَّهُ أَكْبَرُ! قُلْتُمْ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ كَمَا قَالَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ لِمُوسَى: ﴿اجْعَلْ لَنَا إِلَهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ﴾ لَتُرَكِبَنَّ سُنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ))^(۳)

”ہم اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ حنین کی طرف نکلے اور اس وقت ہم نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے تھے، (کیونکہ یہ لوگ فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے تھے) تو ہم ایک درخت کے پاس سے گذرے تو ہم نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہمارے لیے بھی اسی طرح ذاتِ انواط مقرر کر دیجیے جس طرح مشرکین کے لیے ذاتِ انواط ہے۔ [ذاتِ انواط سے مراد ایسا درخت ہے جس پر لوگ نذر اور منت کے لیے اسلحہ لٹکاتے یا دھاگے وغیرہ باندھتے یا اور اسی طرح کی شریکے حرکتیں کرتے تھے] کیونکہ کافروں کے لیے ایک بیڑی کا درخت تھا جس کے پاس وہ اعتکاف کرتے اور اس پر اسلحہ لٹکاتے اور

۱۔ التمهيد، لابن عبد البر، ج ۱۸، ص ۴۶۔

۲۔ مدارج السالکین، ج ۱، ص ۳۶۷۔

۳۔ ترمذی، کتاب الفتن، باب ما جاء لتركبن سنن من كان قبلکم۔ احمد، ج ۵، ص ۲۱۸۔ مصنف عبد

الرزاق، ج ۲۰، ص ۷۶۳۔ السنة، لابن ابی عاصم، ج ۷، ص ۷۶۔

اسے ذاتِ انواط کے نام سے پکارتے تھے، تو جب ہم نے نبی کریم ﷺ کو یہ بات کہی تو آپ ﷺ نے اللہ اکبر کہا اور فرمایا: اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تم لوگوں نے تو ایسی بات کہی ہے جیسی بنی اسرائیل نے موسیٰ سے کہی تھی کہ

﴿اجْعَلْ لَنَا إِلَهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ﴾

”ہمارے لیے ایک الہ مقرر کر دیجیے جس طرح ان (فرعونیوں) کے لیے الہ ہیں، تو موسیٰ نے کہا: بے شک تم جاہل قوم ہو۔“

پھر آپ ﷺ نے فرمایا: تم ضرور اپنے سے پہلے لوگوں کے طریقوں پر چلو گے۔“

اس حدیث میں درختوں کے ساتھ چیزیں لٹکا کر منتیں ماننے اور کسی درخت کو مشکل کشا سمجھنے کو ایسے ہی قرار دیا گیا ہے جیسے اسے معبود بنانے والی بات ہو۔ لیکن اس طرح کی بات جن لوگوں نے کی تھی، وہ ابھی نئے نئے مسلمان ہوئے تھے اور انہیں اس مسئلہ میں صحیح علم ہی نہیں تھا، اس لیے نبی کریم ﷺ نے ان پر کفر یا شرک کا حکم نہیں لگایا اور نہ ہی انہیں تجرید ایمان اور تجرید کلمہ کا حکم دیا۔

چوتھی دلیل

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((يَذْرُؤُ الْإِسْلَامَ كَمَا يَذْرُؤُ وَمَسِيُّ الثُّوبِ حَتَّى لَا يُدْرَى مَا صِيَامٌ وَلَا صَلَاةٌ وَلَا نُسُكٌ وَلَا صَدَقَةٌ، وَلَيْسْرَايَ عَلَى كِتَابِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ فِي لَيْلَةٍ، فَلَا يَبْقَى فِي الْأَرْضِ مِنْهُ آيَةٌ، وَبَيِّنِي طَوَائِفَ مَنْ النَّاسِ، أَلَشَيْخِ الْكَبِيرِ وَالْعَجُوزِ، يَقُولُونَ: أَدْرَكْنَا آبَاءَنَا عَلَى هَذِهِ الْكَلِمَةِ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فَتَنْحَنُّ نَقُولُهَا. فَقَالَ لَهُ صَلَّةٌ: مَا تُغْنِي عَنْهُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَهُمْ لَا يَذْرُؤُونَ مَا صَلَاةٌ وَلَا صِيَامٌ وَلَا نُسُكٌ وَلَا صَدَقَةٌ؟ فَأَعْرَضَ عَنْهُ حَذِيفَةُ ثُمَّ رَكَعًا عَلَيْهِ ثَلَاثًا كُلُّ ذَلِكَ يَعْرِضُ عَنْهُ حَذِيفَةُ، ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْهِ فِي الثَّلَاثَةِ، فَقَالَ: يَا صَلَّةُ تَنْجِيهِمْ مِنَ النَّارِ ثَلَاثًا))^(۱)

۱۔ ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب، ح ۴۰۴۹۔ صحیح ابن ماجہ، ج ۲ ص ۲۷۸۔ مستدرک حاکم، ج ۴ ص ۲۷۲۔ سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ، ج ۸۷۔

”اسلام بھی اس طرح ثنا شروع ہو جائے گا جس طرح کپڑے سے اس کے نقش و نگار ثنا شروع ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ ایسا وقت آجائے گا کہ لوگوں کو معلوم ہی نہ ہوگا کہ روزہ کیا ہے، نماز کیا ہے، قربانی کیا ہے اور صدقہ و زکاۃ کیا ہے۔ اور اللہ کی کتاب پر ایک رات ایسی بھی آئے گی کہ زمین پر اس کی ایک آیت بھی باقی نہ رہے گی اور ایسے لوگ رہ جائیں گے جن کے بوڑھے باپ بھی کلمہ (لا الہ الا اللہ) کے بارے میں یہ کہتے ہوئے پائے جائیں گے کہ ہمیں یہی ایک کلمہ آتا ہے۔“

حدیث کے ایک راوی صلۃ بن زفر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھتے ہیں کہ جب یہ لوگ نماز، روزہ، زکاۃ، حج وغیرہ کے بارے میں جانتے ہی نہ ہوں گے تو پھر اس کلمہ کا انہیں کیا فائدہ ہوگا؟ تو حضرت حذیفہؓ نے ان سے منہ موڑ لیا (جواب نہ دیا)۔ انہوں نے پھر دوسری بار سوال کیا مگر حذیفہؓ نے جواب دیا۔ پھر تیسری بار انہوں نے یہی سوال کیا تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے تین بار کہا کہ کلمہ ہی ایسے لوگوں کو جہنم کی آگ سے نجات دلا دے گا۔“

امام ابن تیمیہؒ اس طرح کی احادیث کے پیش نظر فرماتے ہیں:

”بہت سے لوگ ایسے علاقوں یا ایسے زمانوں میں پیدا ہوتے ہیں کہ جب نبوت کے علوم کا بڑا حصہ مٹ چکا ہوتا ہے، حتیٰ کہ ایسے لوگ بھی باقی نہیں رہتے جو اس کتاب و حکمت کی آگے تبلیغ کریں جسے اللہ نے اپنے رسول پر نازل کیا ہے، چنانچہ اس طرح اللہ کی طرف سے رسول پر بھیجے گئے دین کا بڑا حصہ لوگوں تک نہیں پہنچ پاتا، تو ایسے لوگوں پر (کسی کفریہ عمل کی بنیاد پر) کفر کا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔ اسی لیے اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ایسا شخص جو اہل علم اور اہل مذہب لوگوں سے بہت دور کسی بستی میں پرورش پائے اور پھر وہ اسلام میں بھی نیا نیا داخل ہوا ہو تو اگر وہ کسی شرعی حکم جو بالکل ظاہر اور متواتر ہو، کا انکار کر دے تو اس پر کفر کا حکم نہیں لگایا جائے گا حتیٰ کہ اسے اس چیز کی پوری طرح معلومات دی جائیں جسے اللہ کے رسول لے کر آئے ہیں، اسی لیے ایک حدیث میں ذکر ملتا ہے: ”لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ جب انہیں یہ معلوم ہی نہ ہوگا کہ نماز کیا ہے اور روزہ کیا ہے؟“ (۱)

پانچویں دلیل

عبداللہ بن ابی اونیؓ بیان فرماتے ہیں کہ

((لَمَّا قَدِمَ مَعَاذَ مِنَ الشَّامِ سَجَدَ لِلنَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَ ﷺ: مَا هَذَا يَا مَعَاذُ؟ قَالَ: أَتَيْتُ الشَّامَ فَوَافَقْتُهُمْ يَسْجُدُونَ لِأَسَافِقَتِهِمْ وَيَبْطَرِقَتِهِمْ، فَوَدَدْتُ فِي نَفْسِي أَنْ نَفْعَلَ ذَلِكَ بِكَ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: فَلَا تَفْعَلُوا، فَإِنِّي لَوْ كُنْتُ امْرَأًا أَحَدًا أَنْ يُسْجَدَ لِغَيْرِ اللَّهِ، لَأَمَرْتُ الْمَرْأَةَ أَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا))^(۱)

”جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ شام سے واپس آئے تو انہوں نے نبی کریم ﷺ کو سجدہ کیا۔ آپ نے پوچھا: یہ کیا؟ تو وہ کہنے لگے کہ میں شام میں گیا تھا اور وہاں کے لوگوں کو میں نے دیکھا کہ وہ اپنے بڑوں کو سجدہ کرتے ہیں تو میں نے پسند کیا کہ ہم بھی آپ کو سجدے کریں تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ایسا نہ کرو، اگر میں کسی کو حکم دیتا کہ وہ غیر اللہ کو سجدہ کرے تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔“

امام شوکانی فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص جہالت کی وجہ سے کسی کو سجدہ کرتا ہے، اسے کافر قرار نہیں دیا جائے گا۔^(۲)

ائمہ کرام کی آراء

۱۔ امام شافعیؒ بیان فرماتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ کے بعض ایسے اسماء اور صفات ہیں جن کی تردید کوئی شخص کر ہی نہیں سکتا، لیکن اگر کوئی شخص جہت واضح ہو جانے کے باوجود ان کی مخالفت و انکار کرے تو اسے کافر قرار دیا جائے گا لیکن اس پر جہت قائم کرنے سے پہلے اسے جہالت کے عذر کی وجہ سے معذور سمجھا جائے گا کیونکہ ان صفات کا علم عقل سے یا آنکھ کی بصارت سے یا غور و فکر سے حاصل نہیں ہو سکتا۔“^(۳)

۱۔ ابن ماجہ، ج ۱، ص ۵۹۵۔ ابن حبان، ج ۱۲۹۔ السنن الکبریٰ، للبیہقی، ج ۷، ص ۲۹۲۔ علامہ البانی نے

اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے، دیکھیے: ارواء الغلیل، ج ۷، ص ۵۶۔

۲۔ نیل الاوطار، للشوکانی، ج ۶، ص ۲۳۴۔

۳۔ فتح الباری، ج ۱۳، ص ۴۱۸۔ نیز دیکھیے: الایمان الاوسط، لابن تیمیہ، ص ۸۔

۲۔ ابن عربی ماکئیؒ بیان فرماتے ہیں:

”جس طرح نیکی کے کاموں کو ایمان کا نام دیا جاتا ہے، اسی طرح گناہوں کو کفر کہا جاتا ہے۔ جہاں کہیں مطلق طور پر گناہوں کو کفر قرار دیا جائے وہاں اس سے ایسا کفر مراد نہیں لیا جائے گا جو ملت سے خارج کر دیتا ہے کیونکہ اس امت میں جاہل اور غلطی کرنے والا خواہ کفر و شرک کا ارتکاب کر لے، اسے جہالت اور غلطی کے عذر کی وجہ سے کافر و مشرک قرار نہیں دیا جائے گا، یہاں تک کہ اس کے لیے وہ حجت روز روشن کی طرح واضح ہو جائے کہ جس کے انکار کرنے والے پر کفر کا حکم لگایا جاتا ہے۔“^(۱)

۳۔ امام ابن حزمؒ قاضی ابو یوسفؒ (امام ابو حنیفہؒ کے معروف شاگرد اور ہارون الرشید کے دور کے چیف جسٹس) کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ

”قاضی ابو یوسفؒ سے جب یہ سوال کیا گیا کہ اس شخص کی گواہی کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے جو سلف صالحین (صحابہؓ) میں سے کسی کو گالی دے؟ تو انہوں نے صحیح سچ جواب دیا کہ اگر میرے نزدیک ایک شخص کے بارے میں یہ ثابت ہو جائے کہ وہ اپنے پڑوسی کو گالی دیتا ہے تو میں تو اس کی بھی گواہی قبول نہ کروں گا، جب کہ امت کے بزرگوں (سلف صالحین) میں سے کسی کو گالی دینا تو اس سے زیادہ قبیح بات ہے۔ ہاں اگر کوئی جہالت سے ایسا کرے اور اس پر نص (قرآن و سنت کی دلیل) کے ساتھ صحابہ کی فضیلت اور انہیں گالی دینے کی ممانعت کی حجت قائم نہ کی گئی ہو تو پھر اس کی اس گالی سے بلکہ اس سے بھی بڑی گالی سے اس کے دین میں بالکل کوئی بگاڑ نہیں آئے گا۔ اور اس کے بارے میں حکم یہ ہے کہ اسے اس سلسلہ میں معلومات دی جائیں اور اگر وہ (سلف کے معاملہ میں) پھر بھی سرکشی کی راہ اختیار کرتا ہے تو وہ فاسق ہے اور اگر وہ اللہ اور اس کے رسول کے معاملہ میں اس طرح کی سرکشی کرتا ہے تو پھر وہ کافر اور مشرک ہے۔ اور اگر کوئی شخص جہالت اور غلطی کی وجہ سے قرآن بدل دے (پڑھتے ہوئے یا لکھتے ہوئے) یا جہالت اور غلطی سے قبلہ کے علاوہ کسی اور رخ پر نماز پڑھ لے تو اس کے ساتھ بھی اس کے دین پر کوئی الزام نہیں لگایا جائے گا جب تک کہ اس پر حجت قائم نہ کر دی گئی ہو۔ اور اسی بات پر تمام اہل اسلام کا اتفاق ہے۔“^(۲)

۱۔ محاسن التاویل، للقاتل، ج ۵، ص ۳۰۷، ۲۔ الاحکام، لابن حزم، ج ۱، ص ۱۳۳۔

خطا اور غلطی

لفظ خطا (الخطاء) کا لغوی معنی ہے غلطی۔ خطا کرنے کا مطلب ہوا غلطی کی۔ اسی طرح اسے 'ضد الصواب' یعنی صحیح اور درست کی ضد بھی کہا جاتا ہے۔ اسی طرح عربی زبان میں أخطأ الطريق کا مطلب ہے راستہ بھول گیا۔ اسی طرح وأخطأ الرامی الغرض کا مطلب ہے: 'شکار کرنے والا نشانہ لگانے میں غلطی کر گیا'۔^(۱)

غیر ارادی طور پر کسی غلط کام کے ارتکاب کو 'خطا' کہتے ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَا أَخْطَأْتُمْ بِهِ وَ لَكِن مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوبُكُمْ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا﴾ [سورة الأحزاب: ۵]

”تم سے بھول چوک میں جو کچھ ہو جائے اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں، البتہ گناہ وہ ہے جس کا تم ارادہ دل سے کرو۔ اللہ بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہے۔“

یہ بات واضح رہے کہ غلطی کا تعلق عام طور پر غیر ارادی صورتحال سے ہے یعنی ایک شخص سبقت لسانی کی وجہ سے ایسی بات کہہ دیتا ہے جو وہ نہیں کہنا چاہتا تھا۔ اسی طرح ایک شخص کم علمی، جہالت یا کسی شبہ کی وجہ سے کوئی ایسی بات کر دیتا ہے جو جہالت یا شبہ کی عدم موجودگی میں وہ کسی صورت بھی نہیں کرتا۔ مثلاً ایک شخص شبہ کی وجہ سے کسی اور کو بیٹا یا باپ کہہ دیتا ہے، حالانکہ جان بوجھ کر وہ ایسا نہیں کرتا۔

اسی طرح بعض اوقات غلط اجتہاد اور تاویل کی وجہ سے بھی غلطی لگ جاتی ہے۔ اور جس طرح جہالت کی وجہ سے جاہل شخص پر کفر کا فتویٰ نہیں لگایا جاتا، اسی طرح اگر کوئی شخص خطا کی وجہ سے کفر کا ارتکاب کر بیٹھے تو اس پر بھی کفر کا حکم نہیں لگایا جاسکتا کیونکہ کئی ایک دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت میں جہالت کی طرح خطا کو بھی تکفیر کا مانع اور عذر تسلیم کیا گیا ہے۔

۱۔ دیکھیے: کتب لغات بذیل مادہ۔

اگرچہ عذر جہالت کی طرح اس مسئلہ میں بھی بعض اہل علم نے یہ رائے اختیار کی ہے کہ عقائد و ایمانیات میں خطا کا عذر قابل قبول نہیں، البتہ فروعیات (فقہ وغیرہ) میں یہ عذر قابل قبول ہے، لیکن زیادہ تر اہل علم نے جہالت کے عذر کی طرح خطا کا عذر بھی عقائد اور فقہ (یعنی اصول و فروع) دونوں میں تسلیم کیا ہے اور یہی رائے درست ہے۔

شریعت میں خطا کے عذر کا اعتبار

آئندہ سطور میں چند ایک وہ دلائل ملاحظہ فرمائیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت میں عقائد (یعنی اصول) اور فروع (یعنی فقہی مسائل) دونوں جگہ خطا کا اعتبار کیا گیا ہے:

پہلی دلیل

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اذْعَوْهُمْ لِآبَائِهِمْ هُوَ اقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ فَإِنْ لَمْ تَعْلَمُوا آيَاتِهِمْ فِإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ وَمَوَالِيكُمْ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَا أَخْطَأْتُمْ بِهِ وَلَكِنْ مَا تَعَمَّدَتْ قُلُوبُكُمْ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ﴾ [سورة الاحزاب: ۵]

”لے پا لکوں (منہ بولی اولاد) کو ان کے (حقیقی) باپوں کی طرف نسبت کر کے بلاؤ، اللہ کے نزدیک پورا انصاف یہی ہے۔ پھر اگر تمہیں ان کے (حقیقی) باپوں کا علم ہی نہ ہو تو وہ تمہارے دینی بھائی اور دوست ہیں۔ تم سے بھول چوک میں جو کچھ ہو جائے اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں، البتہ گناہ وہ ہے جس کا تم دل سے ارادہ کرو۔ اللہ بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہے۔“

ان آیات میں یہ بتایا گیا ہے کہ لے پا لک اور منہ بولی اولاد حقیقی اولاد نہیں ہوتی، اس لیے بچے کو اسی باپ کی طرف منسوب کیا جائے اور اسی کی نسبت کے ساتھ اسے پکارا جائے جو اس کا حقیقی باپ ہے اور اگر غلطی سے کسی کو غلط نسبت سے پکارا جائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ لیکن جان بوجھ کر ایسا کرنا گناہ ہے، جیسا کہ صحیح بخاری میں حدیث ہے کہ ”جس شخص نے کسی کو جان بوجھ کر غیر باپ کی طرف منسوب کیا، اس نے کفر کیا۔“ (۱)

۱۔ بخاری، کتاب المناقب، باب نسبة اليمن الي اسماعيل۔

اگرچہ یہ آیات نسب میں غلطی کی معافی کے بارے میں ہیں لیکن اہل علم نے بالاتفاق ان آیات سے یہ (عمومی) استدلال کیا ہے کہ غلطی کی وجہ سے کیے گئے کسی بھی گناہ کے کام پر گناہ لازم نہیں آتا، جیسا کہ حافظ ابن حجر صحیح بخاری کی شرح میں بیان فرماتے ہیں:

”لم يمنع ذلك من الاستدلال بعمومها، وقد أجمعوا على العمل بعمومها في سقوط الإثم“^(۱)

”ان آیات کے عموم سے استدلال کرنا منع نہیں ہے بلکہ اہل علم نے ان آیات کے عموم پر عمل کرتے ہوئے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ (غلطی سے کیے گئے کسی بھی کام پر) گناہ نہیں ہوگا۔“

دوسری دلیل

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يُقْتَلَ إِذَا هُوَ مُؤْمِنًا إِلَّا حَطَأًا وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ

وَدِيَّةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ إِلَّا أَنْ يَصَّدَّقُوا﴾ [سورة النساء: ۹۲]

”کسی مومن کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ کسی مومن کو قتل کرے، مگر غلطی سے ہو جائے (تو یہ اور بات ہے) اور جو شخص کسی مسلمان کو غلطی سے قتل کر بیٹھے تو اس پر ایک مسلمان غلام کی گردن آزاد کرنا اور مقتول کے عزیزوں کو دیت (خون بہارتاوان) دینا لازم آتا ہے، ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ لوگ بطور صدقہ معاف کر دیں۔“

﴿وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ

عَذَابًا عَظِيمًا﴾ [سورة النساء: ۹۳]

”جس نے جان بوجھ کر کسی مومن کو قتل کیا، اس کی سزا یہ ہے کہ وہ ہمیشہ جہنم میں رہے، اور اس پر اللہ کا غضب اور لعنت ہے اور اس کے لیے اللہ نے بہت بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔“

ان آیات میں صرف ایسے مومن کی مذمت کی گئی ہے جو جان بوجھ کر دوسرے مومن کو قتل کرتا ہے اور جو غلطی سے اتنا بڑا گناہ کرتا ہے، اس کے ذمہ دنیا میں کچھ مالی سزا تو ہے مگر آخرت اس کا کوئی گناہ نہیں۔

تیسری دلیل

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِن نَّسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا﴾ [سورة البقرة: ۲۸۶]

”اے ہمارے رب! ہم سے اگر بھول چوک ہو جائے یا غلطی ہو جائے تو اس پر ہمارا مواخذہ نہ فرما۔“

اس آیت میں اہل ایمان کی دعا ذکر کی گئی ہے کہ وہ اللہ سے یہ دعا کرتے ہیں کہ ”اے ہمارے رب! ہم سے اگر بھول چوک ہو جائے یا غلطی ہو جائے تو اس پر ہمارا مواخذہ نہ فرما۔“ اور صحیح احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اہل ایمان کی اس دعا کو قبول کرتے اور اس کا جواب دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

((فقد فعلت))^(۱)

”ہاں، میں نے ایسا ہی کیا۔“

ظاہر ہے اگر غلطی سے کیا گیا گناہ اللہ کے ہاں قابل معافی نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس دعا کو قبول کرنے کی بجائے صاف واضح فرمادیتے کہ ایسا نہیں ہوگا، مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال رحمت سے اس دعا کو قبول فرمایا اور یہ بھی واضح رہے کہ اللہ کا یہ فیصلہ تمام اہل ایمان کے لیے ہے، کسی خاص گروہ کے لیے نہیں ہے۔

چوتھی دلیل

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ اللَّهَ وَصَّعَ عَنْ أُمَّتِي الْخَطَا وَالنَّسْيَانَ وَمَا اسْتَكْبَرُوا عَلَيْهِ))^(۲)

”اللہ تعالیٰ نے میری امت سے خطا، بھول چوک اور جس کام میں ان پر جبر و اکراہ کیا جائے، (ان تینوں کو) معاف کر دیا ہے۔“

حافظ ابن رجب اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

۱۔ مسلم، کتاب الایمان، باب بیان انہ سبحانہ و تعالیٰ لم یكلف الا ما یطاق، ح ۱۲۵، ۱۲۶۔

۲۔ ابن ماجہ، کتاب الطلاق، باب طلاق المکرہ والناسی، ح ۲۰۴۵۔ المستدرک للحاکم، ج ۲، ص ۱۹۸۔

السنن الکبریٰ، للبیہقی، ج ۷، ۳۵۶۔ ارواء الغلیل، ح ۸۲۔

”اگر کوئی شخص ایک کام کرنا چاہے مگر اس سے اس کے ارادے کے برعکس کوئی اور کام سرزد ہو جائے تو اسے خطا کہتے ہیں مثلاً جیسے ایک شخص کافر کو قتل کرنے کا ارادہ کرتا ہے مگر چونکہ اس سے کوئی مسلمان قتل ہو جاتا ہے تو یہ خطا ہے۔ اور نسیان (بھول چوک) کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو ایک کام یاد تھا کہ فلاں وقت اس نے وہ کرنا ہے مگر جب اس کا وقت آتا ہے تو وہ اسے بھول جاتا ہے اور کر نہیں پاتا۔ یہ دونوں چیزیں (یعنی خطا اور بھول چوک شریعت میں) قابل معافی ہیں۔ قابل معافی ہونے کا مطلب ہے کہ ان کا گناہ نہیں ہوگا اور گناہ نہ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ ان کی بنیاد پر جو (ظاہری شرعی) احکام لاگو ہوتے ہیں وہ ختم ہو جائیں گے مثلاً اگر کوئی غلطی سے کسی مسلمان کو قتل کر دے تو اس پر کفارہ یا دیت کا حکم ختم نہیں ہوتا..... ان دو حالتوں میں (گناہ تو نہیں ہوتا البتہ) کسی اور شرعی حکم کے عائد ہونے یا ختم ہونے کے لیے کوئی اور دلیل موجود ہونی چاہیے۔“^(۱)

پانچویں دلیل

حضرت عمرو بن عاصؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ، وَإِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ))^(۲)

”جب حاکم (قاضی) کوئی فیصلہ کرتے ہوئے اجتہاد کرے اور درست اجتہاد کرے تو اسے دو اجر ملیں گے اور اگر وہ فیصلہ کرتے ہوئے اجتہاد میں غلطی کر جائے تو پھر اس کے لیے ایک اجر ہے۔“
ایسے شخص کو غلطی کے باوجود ایک اجر اس لیے ملتا ہے کہ اس نے حق تک پہنچنے کے لیے کوشش کی ہے اور اس کوشش کا اجر اس سے ضائع نہیں جاتا اور جو اس کوشش میں حق تک پہنچ جائے اسے دو اجر ملتے ہیں۔ ایک اجر کوشش کا اور دوسرا حق تک پہنچنے کا۔

امام ابن تیمیہؒ بیان فرماتے ہیں:

۱۔ جامع العلوم و الحکم، ص ۳۵۴، ۳۵۲۔

۲۔ بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة، باب اجر الحاکم اذا اجتهد۔

”اس امت میں سے جس نے حق کی تلاش میں کوشش کی اور اس کوشش میں وہ غلطی کا ارتکاب کر بیٹھا تو اسے کافر قرار نہیں دیا جائے گا بلکہ اس کی یہ غلطی تو قابل معافی ہے۔ البتہ جس نے نبی کے لائے ہوئے دین کے واضح ہو جانے کے بعد اس ہدایت کے کام میں نبی کی مخالفت کی اور مومنوں کا راستہ چھوڑ کر کوئی اور راستہ اختیار کیا تو ایسا شخص یقیناً کافر ہے۔ اور جس نے خواہش نفس کی پیروی کرتے ہوئے اجتہاد کیا، اور حق کی تلاش میں کوتاہی کی اور بغیر علم کے اس سلسلہ میں کوئی بات کی تو وہ گنہگار اور فاسق ہے۔ اور ایسے فاسق کے بارے میں ہو سکتا ہے کہ اس کے پاس (نامہ اعمال میں) اتنی نیکیاں ہوں جو اس کی اس غلطی پر غالب آجائیں۔“^(۱)

نیز فرماتے ہیں:

”کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ مسلمانوں میں سے کسی پر کفر کا فتویٰ لگائے، خواہ کوئی غلطی اور کوتاہی سے کفر کا کام کر رہا ہو، الا یہ کہ اس پر دلیل و حجت قائم کر دی گئی ہو اور وہ دلیل اس کے لیے واضح بھی ہوگئی ہو۔ اور جس شخص کا اسلام یقین کی بنیاد پر ثابت ہو اس کا ایمان شک کی بنیاد پر ختم نہیں ہو سکتا بلکہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب اس پر حجت قائم کر دی جائے اور اس کا شبہ دور کر دیا جائے۔“^(۲)



www.KitaboSunnat.com

۱- مجموع الفتاویٰ، ج ۱۲، ص ۱۸۰۔

۲- مجموع الفتاویٰ، ایضاً، ج ۱۲، ص ۴۶۶، ۵۲۳، ۵۲۴۔

اکراہ اور جبر

’اکراہ‘ کا مطلب ہے کسی کو زبردستی کسی ایسے کام کے لیے مجبور کرنا جسے وہ اپنے ارادے اور مرضی سے کسی صورت بھی نہ کرنا چاہتا ہو مثلاً ایک غیر مسلم کسی مسلمان کو اپنی قید میں کر لے اور اس کے بعد اس سے کہے کہ تم اپنی مذہبی کتاب یا اپنے پیغمبر یا کسی اور دینی شعار وغیرہ کو گالی دو، ورنہ تمہیں قتل کر دوں گا یا تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹ دوں گا اور مسلمان کو یقین بھی ہو یا کم از کم ظن غالب ہو کہ اس کی بات پر عمل نہ کیا تو یہ جس چیز کی دھمکی دے رہا ہے، اسے کر گزرے گا تو ایسی صورت اس کے لیے ’اکراہ‘ کہلائے گی۔

اکراہ میں کسی شخص کو براہ راست (بلا واسطہ) بھی مجبور کیا جاسکتا ہے اور بالواسطہ بھی۔ بلا واسطہ کی مثال تو اوپر گزری چکی اور بالواسطہ کی مثال اس طرح سمجھیے کہ ایک ڈاکو اور لٹیرا کسی شخص کے بچے کو اغوا کر لے اور اس کے بعد بچے کے باپ سے کسی ایسی چیز کا مطالبہ کرے جسے وہ دل کی خوشی سے کبھی بھی پورا نہ کر سکتا ہو مگر اولاد کی محبت کے ہاتھوں مجبور ہو جائے تو یہ صورت بھی ’اکراہ‘ کہلائے گی۔

اکراہ کی صورت میں کلمہ کفر

اکراہ کی حالت میں اگر کوئی شخص کلمہ کفر کہہ دے تو اس سے وہ کافر قرار نہیں پائے گا، بشرطیکہ اس نے کلمہ کفر حلق سے اوپر اوپر کہا ہو، دل کی رضا اور نیت کے ساتھ نہ کہا ہو، اور وہ بھی مجبوری کی صورت میں کہا ہو اور اس کے دل میں کفر کے لیے نفرت بھی پائی جاتی ہو۔

پہلی دلیل

قرآن و سنت کے کئی ایک دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ اکراہ کی صورت میں کلمہ کفر کہنے کی معافی ہے، مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِهِ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ وَلَكِنْ مَنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِنَ اللَّهِ وَآلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ اسْتَحْبَبُوا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا

عَلَىٰ الْآخِرَةِ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿۱۰۶﴾ [سورة النحل: ۱۰۶، ۱۰۷]

”جو شخص اپنے ایمان کے بعد کفر کرے، سوائے اُس کے جس پر جبر کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر برقرار ہو (تو اسے معافی ہے) مگر جو کوئی کھلے دل سے کفر کرے تو ان پر اللہ کا غضب ہے اور انہی کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔ یہ اس لیے کہ انہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت سے زیادہ محبوب رکھا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کافر لوگوں کو راہِ راست نہیں دکھاتا۔“

اس آیت کے شانِ نزول میں مفسرین نے ایک روایت نقل کی ہے کہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ، کو مشرکوں نے گھیر لیا اور مطالبہ کیا کہ وہ نبی کریم ﷺ کو گالی دیں اور ہمارے معبودوں کی تعریف کریں۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے مجبور ہو کر ان کی بات مان لی۔ پھر جب عمار نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور آپ ﷺ کو اس واقعہ سے آگاہ کیا تو آپ ﷺ نے عمار سے پوچھا:

((كَيْفَ تَجِدُ قَلْبَكَ؟ قَالَ: مُطْمَئِنًّا قَالَ: إِنْ عَادُوا فَعُدُّ))^(۱)

”تم اپنے دل کی حالت کیا محسوس کرتے ہو؟ انہوں نے کہا: (ایمان پر) مطمئن ہوں۔ تو آپ نے فرمایا پھر اگر ایسا موقع پیدا ہو تو تم اسی طرح کرنا۔“
ابوبکرِ صاص فرماتے ہیں:

”یہ آیت اس مسئلہ میں اصول کی حیثیت رکھتی ہے کہ حالتِ اکراہ میں کلمہ کفر کہنے کی گنجائش ہے۔“^(۲)
حافظ ابن حجر نے ابن بطلال کے حوالے سے لکھا ہے کہ

”اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جو شخص موت کے ڈر سے کلمہ کفر کہے اور اس کا دل ایمان پر قائم ہو تو اس پر کفر کا حکم نہیں لگایا جائے گا اور نہ ہی اس کی (مسلمان) بیوی کا نکاح اس سے ختم ہوگا۔“^(۳)
مفسر ابن العربی مالکی اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

۱۔ فتح الباری، ج ۱۲، ص ۳۱۲۔ حاکم، ج ۲ ص ۳۵۷۔ بیہقی، ج ۸ ص ۲۰۸۔ ابن حجر بیان فرماتے ہیں کہ اس روایت کی تمام اسناد مرسل ہیں اور ایک دوسرے کی تائید کرتی ہیں۔ نیز آپ فرماتے ہیں کہ اہل علم کا اتفاق ہے کہ یہ آیت حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے سلسلہ میں نازل ہوئی تھی۔

۲۔ احکام القرآن، ج ۳ ص ۱۱۸۰۔

۳۔ فتح الباری، ج ۱۲، ص ۳۱۴۔

”مجبور (مکرہ) شخص کے لیے کفر باللہ کی گنجائش ہے مگر (اہل علم کی) اس متفقہ شرط کے ساتھ کہ اس کا یہ قول زبان کی حد تک ہو، جبکہ دل ایمان کے ساتھ بھرپور ہو لیکن اگر اس کا دل بھی اس کفر میں زبان کی مدد کر رہا ہو تو پھر وہ کافر کی طرح گنہگار ہے کیونکہ کسی پر زبردستی اس کی ظاہری حالت پر تو ہو سکتی ہے، مگر باطن (دل) پر زبردستی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔“^(۱)

دوسری دلیل

﴿لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً وَيَحْذَرُكُمْ اللَّهُ نَفْسَهُ﴾ [سورة آل عمران: ۲۸، ۲۹]

”مومنوں کو چاہیے کہ ایمان والوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کی کسی حمایت میں نہیں، مگر یہ کہ ان (کافروں) کے شر سے کسی طرح بچاؤ مقصود ہو (تو یہ اور بات ہے)۔“

اس آیت سے بھی اہل علم نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ دشمنوں سے جان بچانے کے لیے اسلام کے خلاف کوئی ایسی کفریہ بات کہنا جس سے کافر دشمن راضی ہو جائیں اور کلمہ کفر کہنے والے کی جان بچ جائے، تو اس کی گنجائش ہے۔

افضل کیا ہے؟

اکراہ کی حالت میں کلمہ کفر کہنا اگرچہ جائز ہے مگر اس سلسلہ میں بالاتفاق افضل یہی ہے کہ انسان عزیمت کی راہ اختیار کرے یعنی ایمان کی خاطر جان کی بازی لگا دے، مگر کلمہ کفر نہ کہے جیسا کہ علامہ ابن بطال فرماتے ہیں:

”اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ جس شخص کو کفر پر مجبور کیا جائے اور وہ موت کو پسند کر لے تو اللہ کے ہاں اس کے اس فعل کا ثواب اس شخص کی نسبت زیادہ ہے جو ایسی صورت میں رخصت کو اختیار کرتا ہے۔“^(۲)

۱۔ احکام القرآن، ج ۳ ص ۱۱۷۸۔

۲۔ فتح الباری، ج ۱۲، ص ۳۱۷۔

اسی طرح حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ

”افضل اور بہتر یہی ہے کہ ایک مسلمان ایسی صورت میں اپنے دین پر قائم رہے خواہ اسے قتل ہی کیوں نہ کر دیا جائے“۔^(۱)

یہی بات اہل سنت کے اور بہت سے اہل علم نے بیان کی ہے اور ان اہل علم نے اس سلسلہ میں عزیمت کی راہ اختیار کرنے (یعنی کلمہ کفر کی بجائے موت کو قبول کر لینے) کو افضل قرار دیتے ہوئے جن دلائل سے استدلال کیا ہے، ان میں ایک یہ حدیث بھی ہے:

حضرت خبات بن اُرت رضی اللہ عنہ، بیان فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((قَدْ كَانَ مِنْ قَبْلِكُمْ يُؤْخَذُ الرَّجُلُ فَيُحْفَرُ لَهُ فِي الْأَرْضِ فَيَجْعَلُ فِيهَا فَيْجَاءُ بِالْمِنْشَارِ فَيُوضَعُ عَلَى رَأْسِهِ فَيَجْعَلُ يَصْفَيْنَ وَيُمْسَطُ بِأَمْشَاطِ الْحَدِيدِ مِنْ دُونِ لَحْمِهِ وَعَظْمِهِ فَمَا يَصُدُّهُ ذَلِكَ عَنْ دِينِهِ))^(۲)

”تم میں سے پہلی امتوں میں یہ کچھ ہوتا رہا ہے کہ (ایمان والے) آدمی کو پکڑ کر لایا جاتا، زمین میں گڑھا کھود کر اسے اس میں ڈالا جاتا ہے اور پھر اس کے سر پر آڑا رکھ کر اس کے دو ٹکڑے کر دیئے جاتے اور (بعض کے ساتھ یہ ہوتا کہ) ان کے گوشت اور ہڈیوں میں لوہے کی کنگھیاں پھیری جاتیں لیکن یہ اذیتیں انہیں اپنا دین چھوڑنے پر پھر بھی مجبور نہ کر پاتیں“۔

اس طرح بعض اہل علم نے ایسی صورت میں عزیمت کی راہ اختیار کرنے کی مزید تاکید بھی کی ہے کہ جب عزیمت کی راہ اختیار کرنے پر دین کا مجموعی طور پر کوئی نقصان ہو یا دین کے بارے میں کسی طرح کی غلط فہمی پھیلنے کا اندیشہ ہو۔ یا ایسا شخص اس طرح کی کسی آزمائش کا شکار ہو جس کے عقیدت مندوں کی بڑی تعداد ہو اور خطرہ ہو کہ کہیں وہ غلط فہمی سے رخصت والی صورت کو رخصت کی بجائے اصل مسئلہ ہی نہ سمجھ بیٹھیں۔

امام احمد بن حنبلؒ سے ایک عالم دین کے حوالے سے پوچھا گیا کہ کیا وہ (مشکل وقت میں) تقیہ کر سکتا

۱۔ تفسیر ابن کثیر، ج ۲ ص ۵۸۸۔

۲۔ بخاری، کتاب الاکراه، باب من اختار الضرب والقتل والهوان علی الکفر، ج ۶۹۴۳۔

ہے؟ (یعنی جھوٹ بول کر جان بچا سکتا ہے) تو امام احمدؒ نے جواب دیا کہ اگر عالم ایسے موقع پر تقیہ کرنے لگیں اور جاہل پہلے ہی حق بات نہ جانتے ہوں تو حق کیسے واضح ہوگا؟!۔^(۱)

اکراہ کا تعلق قول اور فعل سے ہے نہ کہ دل کے ساتھ

بعض اہل علم کے بقول اکراہ کا تعلق زبان اور قول کے ساتھ ہے، فعل و عمل اور دل کے ارادے و نیت کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں جبکہ بعض اہل علم کی رائے یہ ہے کہ اکراہ کا تعلق قول اور فعل دونوں سے ہو سکتا ہے، البتہ دل کے ساتھ اس کا تعلق نہیں ہوتا۔

اسے آپ اس مثال سے سمجھیں کہ ایک شخص کو شراب پینے، کسی کو گالی دینے یا کسی پر تہمت لگانے یا ایسے ہی کسی اور گناہ کے کام پر مجبور کیا جاتا ہے اور وہ شراب بھی پی لیتا ہے، لوگوں کو گالی بھی دیتا ہے اور ان پر تہمت بھی لگاتا ہے، مگر اس کا دل ان میں سے کسی فعل پر بھی مطمئن نہیں ہوتا تو ایسی صورت میں وہ اللہ کے ہاں گنہگار اور قابل مواخذہ نہیں ہوگا اور نہ ہی دنیا میں اسے اس پر سزا دی جائے گی۔ لیکن اگر وہ از خود ان میں سے کسی کام کو کرنا چاہتا ہو مگر قانون کے ڈر سے موقع نہ پاتا ہو اور پھر کسی کے ظاہری دباؤ اور اصرار سے اسے اس کام کا موقع مل جائے تو دنیوی قانون سے تو وہ پھر بھی بچ جائے گا، مگر اللہ کے ہاں وہ مجرم ہوگا۔ اس لیے کہ قانون کا تعلق ظاہری اعمال کے ساتھ ہے، جبکہ دل کا معاملہ اللہ ہی جانتے ہیں کیونکہ یہ اللہ اور بندے کے درمیان کی بات ہے۔

اسی طرح اکراہ کے حوالے سے ایک یہ مسئلہ بھی واضح رہنا چاہیے کہ بعض گناہ کے کام اکراہ کی صورت میں نہیں کیے جاسکتے اور اگر وہ کیے جائیں تو انہیں قابل معافی قرار نہیں دیا جائے گا۔ مثلاً ایک شخص کو قتل کی دھمکی دے کر مجبور کیا جائے کہ وہ کسی اور مسلمان کو قتل کرے (ورنہ اسے قتل کر دیا جائے گا) تو ایسی صورت میں اس شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ یہ اپنی جان بچانے کے لیے دوسرے مسلمان کو قتل کرے اور اگر یہ کسی کو قتل کرے گا تو اس قتل کا ذمہ دار ہوگا۔ لیکن ذمہ داری کی حدود کیا ہوں گی، اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

امام قرطبی بیان فرماتے ہیں:

”اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ جس شخص کو اس بات پر مجبور کیا جائے کہ وہ دوسرے کو قتل کرے تو ایسے شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنی جان بچانے کے لیے کسی اور کو قتل کرے بلکہ اسے ایسی آزمائش کی حالت میں صبر کرنا چاہیے اور اللہ سے دنیا و آخرت کی عافیت مانگنی چاہیے۔“^(۱)



۱۔ تفسیر قرطبی، ج ۱۰، ص ۱۸۳۔ اس مسئلہ میں دیگر اہل علم کی آراء کے لیے دیکھیے: فتح الباری، ج ۱۲، ص ۳۱۲۔
احکام القرآن، لابن العربی، ج ۳، ص ۱۱۷۷۔

تاویل

تاویل کسے کہتے ہیں

تاویل کا لغوی معنی ہے: لوٹنا، رجوع کرنا، پھرنا، ایک چیز سے دوسری چیز کی طرف جانا۔ اصطلاحی طور پر تاویل کا لفظ یا تو تفسیر کے معنی میں استعمال ہوتا ہے یعنی کسی غیر واضح، مجمل، مبہم یا مشتبہ چیز کی وضاحت اور تفہیم کے معنی میں۔ زیادہ تر مفسرین اسے اسی معنی میں استعمال کرتے ہیں۔ تفسیر طبری کا اصل نام یعنی: الجامع فی تاویل آی القرآن بھی تاویل کے اسی معنی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

لفظ تاویل کا دوسرا معنی ہے کلام کی روح، مراد و مدعا اور مفہوم و مقصود تک پہنچنے کی کوشش کرنا۔ یہ معنی اس کلام کے ظاہر کے موافق و مطابق بھی ہو سکتا ہے اور ظاہر کے بالکل الٹ بھی۔ اگر زبان و بیان کے مسلمہ اصولوں، ضابطوں اور نیک نیتی کے ساتھ تاویل کی جائے تو یہ تاویل صحیح کی قسم میں شمار ہوگی ورنہ یہ تاویل فاسد کہلائے گی اور ایسی ہی تاویل کو بعض اہل علم تاویل کی بجائے تحریف بھی کہتے ہیں۔

تاویل کا عذر تسلیم کیا جائے گا، خواہ تاویل کا تعلق عقائد سے ہو یا فروعات سے

اہل سنت کے علماء نے 'تاویل' کو تکفیر کا عذر اور مانع (رکاوٹ) تسلیم کیا ہے، البتہ تاویل کی ایسی صورت کو بعض اہل علم نے تکفیر میں عذر اور مانع تسلیم نہیں کیا جو تاویل کہلانے کی مستحق ہی نہ ہو بلکہ جسے تحریف کہنا ہی مناسب ہو۔ بالخصوص ایسی صورت میں کہ جب تاویل کرنے والے کے بارے میں ایسے قرائن اور شواہد بھی مل رہے ہوں جو اس کی لادینیت، لامدہبیت، کفر و الحاد اور خبیث باطن کی تائید کر رہے ہوں مثلاً کوئی یہ تاویل کرے کہ نماز سے متعلقہ آیات کا وہ معنی و مفہوم مراد نہیں ہے جو امت مسلمہ شروع سے سمجھتی چلی آرہی ہے بلکہ اس کا معنی کچھ اور ہے تو ظاہر ہے ایسی تاویل صریح طور پر تاویل فاسد کہلائے گی اور اس کے ساتھ اس کا کردار بھی اگر دین و شریعت سے استہزاء کی نشاندہی کر رہا ہو تو پھر معاملہ اور زیادہ سنگین ہو جاتا ہے۔

البتہ تاویل کے سلسلہ میں یہ بات ضرور واضح رہنی چاہیے کہ یہ فرق کرنا بہت مشکل اور پیچیدہ ہے کہ کون سی

تاویل قابل قبول ہے اور کون سی نہیں۔ اگرچہ مطلق اور عمومی انداز میں بعض اہل علم نے اس میں فرق کرنے کی کوشش کی ہے، تاہم احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ ایسے مسئلہ میں انفرادی رائے قائم کرنے کی بجائے اسے علماء کی جماعت پر چھوڑ دیا جائے کہ وہ تاویل کرنے والے کی تاویل کا بھی دلائل کی روشنی میں پوری طرح سنجیدگی سے جائزہ لیں اور ان حالات کو بھی دیکھنے کی کوشش کریں جن میں تاویل کرنے والے تاویل کر رہے ہیں۔

تاویل کے عذر اور مانع تکفیر ہونے کے بارے میں اہل علم کی آراء

اہل علم نے تاویل کو ہمیشہ عذر کے طور پر تسلیم کیا ہے۔ اس سلسلہ میں چند اہل علم کے اقوال ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ امام شافعیؒ بیان فرماتے ہیں:

”سلف میں سے جن کی پیروی کی جاتی ہے اور ان کے بعد تابعین وغیرہ میں سے بھی کسی کے بارے میں ہم نہیں جانتے کہ اس نے تاویل کرنے والے کی گواہی کو رد کیا ہو، اگرچہ وہ ایسے شخص کو (جو غلط تاویل کرتا ہے)، خطا کار اور گمراہ کہتے تھے اور وہ دیکھ رہے ہوتے تھے کہ اس شخص نے (تاویل کی وجہ سے) ایک حرام چیز کو حلال سمجھ لیا ہے مگر اس کے باوجود وہ اس کی گواہی کو رد نہیں کرتے تھے بشرطیکہ اس کی تاویل ایسی ہو جس کی گنجائش اور احتمال ہو، خواہ وہ اس تاویل کے ساتھ کسی کا خون اور مال حلال کر رہا ہو اور خواہ وہ اس بنیاد پر بڑی عجیب (افراط و تفریط پر مبنی) بات کہہ رہا ہو“^(۱)

تاویل کی بنیاد پر کسی مسلمان کو چونکہ کافر قرار نہیں دیا جاسکتا، اس لیے امام شافعیؒ یہ فرما رہے ہیں کہ تاویل کرنے والے شخص کی گواہی بھی رد نہیں کی جائے گی یعنی اسے گواہی کے سلسلہ میں نااہل قرار نہیں دیا جائے گا، اس لیے کہ مسلمانوں کے معاملات میں کافر کی گواہی بیشتر صورتوں میں ناقابل قبول ہے، خواہ اس کی تاویل سے حرام کو حلال اور حلال کو حرام ہی کیوں نہ کیا جا رہا ہو البتہ کسی نہ کسی درجہ میں اس تاویل کا احتمال ممکن بھی ہونا چاہیے۔

۲۔ امام ابن تیمیہؒ بیان فرماتے ہیں:

”اہل کوفہ میں سے علم و عمل کے لحاظ سے امت کے بعض فاضل بزرگوں نے یہ رائے اختیار کی ہے کہ شراب صرف وہ ہے جو انور سے بنتی ہے اور انور اور کھجور کے علاوہ چیزوں سے بنے ہوئے مشروب کی صرف اتنی مقدار حرام ہے جو نشہ پیدا کر دے (اس سے کم مقدار میں اسے پینا حرام نہیں ہے) اور ظاہر ہے جسے وہ حلال سمجھتے ہیں، اسے پیتے بھی ہیں۔ اس لیے ان لوگوں کے بارے میں یہ حکم نہیں لگایا جا سکتا کہ یہ بھی اس (تکفیر اور جہنم کی) وعید میں شامل ہیں۔ اس لیے کہ ان کی رائے تاویل پر مبنی ہونے کے وجہ سے ان کے لیے ایک عذر کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسی طرح کچھ اور مواعظ بھی ان پر ایسا حکم لگانے سے روکتے ہیں.....

اسی طرح حدیث نبوی ہے کہ جب دو مسلمان تلواریں لے کر ایک دوسرے کے خلاف لڑیں تو قاتل اور مقتول دونوں آگ میں جائیں گے۔ اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے کہا جائے گا کہ مومنوں کے ساتھ ناحق لڑنا حرام ہے، اور اس کے ساتھ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ جمل اور صفین کی لڑائیوں میں شرکت کرنے والے جہنم میں نہیں جائیں گے کیونکہ ان لڑائیوں میں ان کے پیش نظر عذر اور تاویل تھی۔“ (۱)

۳۔ امام ابن قیمؒ بیان فرماتے ہیں کہ

”جو شخص کسی فرض یا واجب چیز کا جہالت یا تاویل کی وجہ سے انکار کرتا ہے، اسے معذور سمجھا جائے گا اور اس پر کفر کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔“ (۲)

تاویل کرنے والے فرقوں کے بارے میں حکم

مسلمانوں میں آج تک جتنے بھی گروہ پیدا ہوئے ہیں، ان میں سے اکثر و بیشتر کا دار و مدار زیادہ تر تاویل ہی پر رہا ہے یا دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ مسلمانوں کے اصولی اور فقہی (فردی) اختلافات کے پیچھے زیادہ تر تاویل ہی کا فرما ہے کیونکہ قرآن و سنت کی قانونی و استنادی حیثیت تو قریب قریب سبھی فرقے مانتے رہے ہیں، البتہ ان کے فہم اور مراد و مدعا کے تعین کے سلسلہ میں اختلاف رائے ہوتا رہا ہے۔ خود کسی ایک فرقے ہی کو لے لیجیے، ان میں بھی تاویل کی بنیاد پر بیسیوں اختلافات مل جائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ

۱۔ مجموع الفتاویٰ، ج ۲۰، ص ۲۶۲، ۲۶۸۔

۲۔ مدارج السالکین، ج ۱، ص ۳۶۷۔

اہل علم کی بڑی تعداد تکفیر کے سلسلہ میں تاویل کو ایک مانع و عذر کے طور پر ہمیشہ تسلیم کرتی رہی ہے۔ اس کی اس سے بڑی دلیل اور کیا ہوگی کہ مختلف گمراہ فرقوں کو محتاط اہل علم نے مجموعی طور پر کبھی کافر نہیں کہا، ہاں البتہ انہیں گمراہ، یا خواہش پرست (أَهْلُ الْاَهْوَاءِ) یا اہل بدعت، یا اہل باطل وغیرہ ضرور کہا ہے۔ خوارج کا ظہور عہد صحابہ ہی میں ہو گیا تھا، اور جن صحابہ کرام نے ان کا سامنا کیا، انہوں نے انہیں کافر قرار نہیں دیا تھا۔ اسی طرح قدریہ فرقہ کا ظہور بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اخیر زمانہ میں ہو چکا تھا، اور انہیں بھی ان کی تاویلات کی وجہ سے کافر نہیں کہا جاتا تھا۔ یہی صورت حال بعد میں شیعہ، معتزلہ، مرجہ، وغیرہ دیگر فرقوں کے ساتھ تھی کہ اہل علم کی بڑی تعداد مجموعی طور پر ان کی تکفیر نہیں کرتی تھے، البتہ انفرادی اور جزوی مثالیں اس سے مستثنیٰ ہیں۔

تاویل کرنے والے فرقوں کے بارے میں امام احمد بن حنبل کا نقطہ نظر

اہل سنت میں امام احمد بن حنبل کو بلاشبہ ایک نمایاں مقام حاصل ہے، اور آپ کو سلف کا شارح اور سنت کا محافظ قرار دیا جاتا ہے۔ تاویل کرنے والے فرقوں کے بارے میں آپ بڑا کھلا ذہن رکھتے تھے، انہیں مسلمان ہی سمجھتے تھے، خواہ ان کی تاویل کس قدر گمراہی پر مبنی ہی کیوں نہ ہوتی۔ اور ان کے پیچھے نمازیں بھی پڑھتے تھے۔ ان کے ساتھ میل ملاپ بھی اسی طرح رکھتے تھے جس طرح ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کا حق ہوتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ ان کے افکار پر پورے دلائل کے ساتھ رد بھی کرتے تھے۔ امام ابن تیمیہؒ جنہوں نے یقیناً بڑی گہرائی کے ساتھ امام احمدؒ کے افکار کا مطالعہ کیا ہے، وہ امام احمدؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

”سلف اور ائمہ کرام کا اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ مرجہ اور تفضیلی شیعہ اور ان جیسے دیگر فرقوں کو کافر قرار نہیں دیا جائے گا۔ امام احمدؒ سے بھی اس سلسلہ میں ایک ہی طرح کی روایت ملتی ہے اور وہ یہ کہ ایسے لوگوں کو کافر قرار نہیں دیا جائے گا۔ البتہ ان کے اصحاب میں سے بعض لوگوں نے امام احمدؒ اور ان کے مذہب کے برخلاف تمام اہل بدعت کو کافر قرار دیا ہے بلکہ بعض نے تو ایسے لوگوں کو ابوریٰ جنہی بھی کہا ہے حالانکہ یہ امام احمدؒ کے مذہب و موقف کے مطابق بھی اور شریعت کے مطابق بھی بالکل غلط رویہ ہے۔ اور حنابلہ میں سے بعض ایسے لوگ بھی ہیں جو انہیں عام گنہگاروں کی طرح سمجھتے ہوئے کسی کی تکفیر

کے بھی قائل نہیں ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ جس طرح اہل سنت والجماعت کے اصولوں میں سے یہ اصول ہے کہ کسی شخص کو گناہ کی وجہ سے کافر قرار نہیں دیا جاسکتا، اسی طرح کسی شخص کو بدعت کی بنیاد پر بھی کافر قرار نہیں دیا جاسکتا۔“ (۱)

نیز لکھتے ہیں:

”امام احمدؒ نے جہمیہ فرقہ کے سرکردہ لوگوں کی کبھی تکفیر نہیں کی اور نہ ہی کسی کے بتانے پر کسی جہمی کی تکفیر کی اور نہ ہی ایسے شخص کی کبھی تکفیر کی جس نے جہمیہ کے بدعت پر مبنی بعض اقوال کو اختیار کیا بلکہ آپ نے تو ایسے جہمی لوگوں کے پیچھے بھی نمازیں پڑھی ہیں جو اپنی بدعت کی طرف دعوت دیتے تھے اور جنہوں نے لوگوں کو آزمائش میں ڈالا اور ان لوگوں کو سخت سزائیں دیں جو ان کی تائید نہیں کرتے تھے لیکن امام احمدؒ نے ان کی اور نہ ہی ان جیسے دوسرے لوگوں کی تکفیر کی، بلکہ آپ ان کے مومن ہونے کا عقیدہ رکھتے تھے، ان کی امامت کو درست سمجھتے تھے اور ان کے لیے دعا بھی کرتے تھے اور ان کے پیچھے نماز پڑھنے کو صحیح سمجھتے تھے، اسی طرح ان کی قیادت میں حج اور جہاد کرنے کے بھی قائل تھے اور ان جہمیہ کی طرح کے حاکموں کے خلاف خروج کو بھی درست قرار نہیں دیتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ ان کے اس قول باطل کی تردید بھی کرتے تھے جو بہت بڑا کفر ہے، اگرچہ جہمیہ خود اسے کفر نہیں سمجھتے تھے۔ امام احمدؒ جہمیہ کی تردید میں حتیٰ الامکن (قلمی و زبانی) جہاد بھی کرتے رہے، چنانچہ اس طرح امام احمدؒ نے ان دونوں چیزوں کو صحیح اعتدال کے ساتھ ایک ہی وقت میں جمع کر کے دکھایا یعنی ایک طرف دین اور نبی کی سنت کے غلبہ کے لیے اللہ اور رسول کی اطاعت کی اور دوسری طرف ان ملحد قسم کے جہمیہ لوگوں کی بدعات کو رد کیا اور اس کے ساتھ حکمرانوں اور امت کے مومنوں پر جو حقوق ہیں، ان کی بھی رعایت اور پاسداری کی۔ اگرچہ یہ جہمی لوگ جاہل، بدعتی، ظالم اور فاسق تھے۔“ (۲)

۱۔ مجموع الفتاویٰ، ج ۳، ص ۳۵۱۔

۲۔ ایضاً، ج ۷، ص ۵۰۷، ۵۰۸۔ نیز دیکھیے: ج ۱۲، ص ۴۸۸۔

اس سلسلہ میں علامہ ابن تیمیہ کا نقطہ نظر

امام ابن تیمیہؒ کے بارے میں عام طور پر کہا جاتا ہے کہ وہ تکفیر میں متشدد تھے، انہوں نے بھی اہل تاویل کو ان کی تاویل کا پورا پورا فائدہ دینے کی رائے اختیار کی ہے۔ آپ نے بھی سلف کی پیروی کرتے ہوئے مختلف تاویل کرنے والے فرقوں کو مجموعی طور پر کبھی کا فر قرار نہیں دیا، بلکہ جس کسی نے ایسی رائے اختیار کی، اس کی آپ نے پرزور تردید کی اور اس رائے کو قرآن، سنت اور اجماع صحابہ کے خلاف قرار دیا۔ آئندہ سطور میں اس حوالے سے آپ کی بعض آراء اور بیانات نقل کیے جا رہے ہیں۔

وہ حدیث جس میں ہے کہ یہ امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی اور ایک کے علاوہ باقی سب جہنم میں جائیں گے، اس کی تشریح کرتے ہوئے آپ نے یہ نقطہ نظر اختیار کیا ہے کہ یہ فرقے کا فر نہیں ہیں اور ان کا جہنم میں جانے کی وعید سے یہ مراد نہیں کہ یہ ہمیشہ کے لیے کافروں کی طرح جہنم میں جائیں گے بلکہ یہ مراد ہے کہ اپنی گمراہی اور ضلالت کی وجہ سے وقتی طور پر جہنم میں جائیں گے اور پھر جہنم سے نکال کر جنت میں بھیج دیئے جائیں گے۔ چنانچہ آپ بیان فرماتے ہیں:

”جس شخص نے ان میں سے بہتر (۷۲) فرقوں کو کا فر قرار دیا، ان نے قرآن، سنت اور صحابہ و تابعین کے اجماع کی مخالفت کی۔ جبکہ یہ حدیث بخاری و مسلم کی بھی نہیں ہے بلکہ ابن حزم وغیرہ نے تو اسے ضعیف بھی کہا ہے، تاہم بعض اہل علم نے اسے حسن یا صحیح بھی کہا ہے جیسا کہ امام حاکم وغیرہ نے اسے صحیح کہا ہے اور اہل سنن نے اسے روایت کیا ہے۔ اور یہ کئی اسناد سے روایت کی گئی ہے۔ یہ حدیث قرآن مجید کی ان آیات سے زیادہ عظیم نہیں ہے جن میں (مومنوں کو بعض گناہوں پر جہنم میں ڈالنے کی) اس طرح وعید سنائی گئی ہے، مثلاً:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا وَ سَيَصْلُونَ
سَعِيرًا﴾ [سورة النساء: ۱۰]

”جو لوگ یتیموں کا مال ظلم کے ساتھ کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں اور وہ جہنم کی آگ میں داخل ہوں گے۔“

﴿وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ عَدْوَانًا وَ ظُلْمًا فَسَوْفَ نُصَلِّيهِ نَارًا وَ كَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا﴾ [سورة

[النساء: ۳۰]

جس نے ظلم و زیادتی کرتے ہوئے یہ (گناہ کے) کام کیے تو ہم اسے آگ میں ڈالیں گے اور یہ بات اللہ کے لیے آسان ہے۔“^(۱)

مطلب یہ کہ ان آیات میں بھی مومنوں کے لیے بعض گناہوں کی سزا کے طور پر جہنم میں جانے کا ذکر ہے، اور یہی ذکر فرقوں والی روایت میں ہے اور جس طرح ان آیات سے مراد یہ ہے کہ مومن ہمیشہ جہنم میں نہیں جائے گا، اسی طرح ان احادیث کا بھی مطلب یہ ہے کہ یہ مختلف فرقوں کے لوگ ہمیشہ جہنم میں نہیں رہیں گے، سوائے اس کے جو ہر لحاظ سے کفر و ارتداد کی حدود میں داخل ہو جائے اور ایمان کے دائرہ سے نکل جائے جیسا کہ امام ابن تیمیہؒ ایک اور جگہ اسی بات کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”ان بہتر (۷۲) فرقوں میں سے اگرچہ کوئی فرقہ ایسا نہیں ہے جس میں ایک خلق کثیر ایسی موجود نہ ہو جو کافر نہیں ہے بلکہ مومن ہے البتہ ان میں گمراہی اور گناہ موجود ہے جس پر وہ وعید کے مستحق بھی ہیں جیسا کہ مومنوں میں گنہگار وعید کے مستحق ہوتے ہیں اور نبی کریم ﷺ نے انہیں اسلام سے خارج قرار نہیں دیا بلکہ انہیں امت ہی میں شمار کیا ہے اور یہ نہیں کہا کہ یہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ یہ ایک بہت بڑا قاعدہ اور اصول ہے جس کی رعایت رکھی جانی چاہیے۔ سنت رسولؐ کے ساتھ نسبت رکھنے والے مسلمانوں میں سے بہت سے لوگ ایسے ہیں جن میں رافضیوں اور خارجیوں کی سی بدعتیں پائی جاتی ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ وغیرہ نے ان خارجیوں کی بھی تکفیر نہیں کی تھی جنہوں نے آپ کے ساتھ جنگ کی تھی۔“^(۲)

مجموع الفتاویٰ میں ایک جگہ آپ لکھتے ہیں:

”جس شخص نے یہ کہا کہ ان بہتر (۷۲) فرقوں میں سے ہر فرقہ ایسے کفر کا مرتکب ہوا ہے جو اسے ملت اسلام سے خارج کر دیتا ہے تو اس نے قرآن، سنت اور اجماع صحابہ کی مخالفت کی بلکہ اس نے توائمہ اربعہ اور دیگر ائمہ کی بھی اس مسئلہ میں مخالفت کی ہے۔“^(۳)

۱۔ منهاج السنہ، ج ۵، ص ۲۴۸، ۲۴۹۔

۲۔ منهاج السنہ، ج ۵، ص ۲۴۱۔

۳۔ مجموع الفتاویٰ، ج ۷، ص ۲۱۸۔

اسی طرح آپ نے مختلف فرقوں کے بارے میں یہی نقطہ نظر واضح کرتے ہوئے اور ان میں بطور مثال معتزلہ، کلابیہ، کرامیہ، تفضیلی شیعہ وغیرہ کا نام لیتے ہوئے یہ بات کہی ہے کہ

((فهؤلاء اهل ضلال و جهل ليسوا خارجين عن امة محمد ﷺ بل هم من الذين فرقوا دينهم وكانوا شيعه))

”یہ گمراہ اور جاہل تو ہیں مگر یہ امت محمدیہ سے خارج نہیں ہیں، بلکہ یہ ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے اپنا دین ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور مختلف گروہوں میں بٹ گئے۔“ (۱)



خلاصہ کتاب

گزشتہ صفحات میں اس نازک اور اہم ترین موضوع کے حوالے سے جو کچھ بیان ہوا ہے، آئندہ سطور میں چند نکات کے ساتھ ان کا خلاصہ پیش خدمت ہے:

ایمان اور اس کے متعلقات

۱۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ 'ایمان' ہی ایک مسلمان کی سب سے بڑی دولت ہے۔ اگر انسان کو سارے جہاں کی نعمتیں اور دولتیں حاصل ہو جائیں مگر وہ ایمان کی نعمت و دولت سے محروم رہے تو وہ پھر بھی بد نصیب ہے۔

۲۔ اہل سنت کے علماء، فقہاء اور محدثین (یعنی حنفیہ کے علاوہ جمہور) کی عام رائے یہ ہے کہ ایمان تین چیزوں کے مجموعے کا نام ہے یعنی:

۱۔ قول (زبان سے اقرار)،

۲۔ دل کی معرفت اور تصدیق،

۳۔ اعضاء و جوارح سے دینی احکام پر عمل۔

۳۔ مرحوم فرقے اور فقہائے حنفیہ میں ایمان اور اس کے متعلقات کی بحث میں کچھ ایسے بنیادی اختلافات ہیں جو حنفی مکتب فکر کو مرحوم کے قریب کرنے کی بجائے اہل سنت کے قریب کرتے ہیں اور اسی لیے بہت سے اہل علم نے حنفیہ اور اہل سنت کے دیگر اہل علم میں ایمان کی تعریف کے سلسلہ میں پائے جانے والے اختلاف کو محض لفظی اختلاف قرار دیا ہے نہ کہ حقیقی اختلاف، اور نتیجہ کے اعتبار سے انہیں اور دیگر اہل سنت کو قریب قریب ہی قرار دیا ہے۔

۴۔ جمہور اہل سنت کے نزدیک عمل کا تعلق ایمان کے ساتھ اس طرح کا ہے کہ عمل کی بعض صورتوں کی موجودگی میں یا بعض کی عدم موجودگی میں ایمان بالکل ختم ہو جاتا ہے، جبکہ بعض میں ایمان ختم نہیں ہوتا، البتہ کبیرہ گناہ لازم آتا ہے اور بعض میں کبیرہ گناہ بھی لازم نہیں آتا، البتہ فضیلت و استحباب کی حد تک

اس کا اثر واقع ہوتا ہے۔

۵۔ درج ذیل چھ چیزیں متفقہ طور پر ارکانِ ایمان کہلاتی ہیں:

۱۔ اللہ پر ایمان،

۲۔ اس کے فرشتوں پر ایمان،

۳۔ اس کی (نازل کردہ) کتابوں پر ایمان،

۴۔ اس کے رسولوں پر ایمان،

۵۔ آخرت کے دن پر ایمان،

۶۔ اور تقدیر کے اچھایا برا (سب اللہ کی طرف سے) ہونے پر ایمان۔

۶۔ ایمان اور اسلام، دونوں میں فرق ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں علماء اہل سنت کے ہاں دو آراء پائی جاتی ہیں: ایک یہ ہے کہ ایمان اور اسلام دونوں سے ایک ہی چیز مراد ہے اور دوسری رائے جو زیادہ بہتر معلوم ہوتی ہے، وہ یہ کہ اگر یہ دونوں لفظ اکٹھے استعمال ہوں تو پھر ان میں اختلاف ہوتا ہے اور اگر علیحدہ علیحدہ استعمال ہوں تو پھر ان سے ایک ہی مفہوم مراد ہوتا ہے۔ جب ایمان اور اسلام علیحدہ علیحدہ استعمال ہوں تو پھر ایمان سے مراد وہ عقائد (معتقدات) ہوتے ہیں جن کا تعلق دل کے ساتھ ہوتا ہے اور اسلام سے مراد وہ ظاہری اعمال ہوتے ہیں جن کا تعلق انسان کے اعضاء و جوارح کے ساتھ ہوتا ہے۔ اکثر اہل سنت کا یہی موقف ہے۔

۷۔ کبیرہ گناہ کے مرتکب کے بارے میں اہل سنت کا موقف خوارج اور مرجئہ کے موقف کے درمیان ہے اور وہ یہ کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب نہ تو کافر ہوتا ہے (جیسا کہ خوارج کی رائے ہے) اور نہ ہی اس کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ کبھی جہنم میں نہ جائے گا، لیکن شرط یہ ہے کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب گناہ کو گناہ ہی سمجھتا ہو، اسے ہٹ دھرمی سے حلال قرار نہ دیتا ہو۔

کفر اور مکفرات

۸۔ اصطلاحی طور پر 'کفر' کی جتنی بھی تعریفات اہل علم سے منقول ہیں، ان سب کا اگر خلاصہ یا ایسا مشترک نکتہ بیان کیا جائے کہ جس پر کسی کا اختلاف نہ ہو، تو وہ یہی ہے کہ "کفر ایمان کی ضد ہے"، خواہ یہ شرک

کی صورت میں ہو، یا نفاق اکبر کی صورت میں یا کسی اور صورت میں۔ اب جس صاحب علم کے نزدیک جو چیز ایمان ہے، اس کی ضد اس کے نزدیک کفر قرار پائے گی۔

۹۔ اہل علم نے کفر کو دو بڑی قسموں میں تقسیم کیا ہے یعنی کفر اکبر اور کفر اصغر۔ کفر اکبر سے مراد کفر کی وہ صورت ہے جس کا مرتکب دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، اس لیے اس صورت کو منحرج من الملة (یعنی ملت سے خارج کر دینے والا) کفر بھی کہتے ہیں اور اسے ناقض ایمان (یعنی ایمان کو توڑ دینے والا) بھی کہتے ہیں۔ اور دوسری قسم وہ ہے جو دائرہ اسلام سے خارج تو نہیں کرتی مگر اس کا مرتکب گنہگار کہلاتا ہے۔ اس میں قتل، لڑائی جھگڑا، خیانت، گالی گلوچ اور اس جیسے کئی ایک گناہ شامل ہیں۔ جن احادیث میں ان گناہوں پر کفر یا نفاق کا لفظ بولا گیا ہے، ان میں کفر اور نفاق سے کفر اصغر اور نفاق اصغر ہی مراد لیا گیا ہے۔

۱۰۔ نوعیت کے لحاظ سے کفر اکبر کی عام طور پر تین صورتیں ہوتی ہیں:

۱۔ وہ جو اعتقاد (عقیدہ) سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس قسم کو اعتقادی مکفرات یا اعتقادی نواقض کہتے ہیں۔

۲۔ وہ جو قول سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس قسم کو قولی مکفرات یا قولی نواقض کہتے ہیں۔

۳۔ اور وہ جو عمل سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس قسم کو عملی مکفرات یا عملی نواقض کہتے ہیں۔

۱۱۔ کیفیت کے لحاظ سے کفر اکبر کی عام طور پر چار صورتیں ہوتی ہیں:

۱۔ اگر کوئی شخص حق معلوم ہو جانے کے باوجود کفر کی راہ اختیار کرتا ہے، تو کفر کی اس صورت کو اہل علم کفر عناد یا کفر استکبار کہتے ہیں۔

۲۔ اگر حق کا علم ہی نہ ہو مگر پھر بھی بغیر علم ہی کوئی حق کا انکار کرے اور حق کو سمجھنے کے لیے آمادہ ہی نہ ہو تو اس کے کفر کو کفر تکذیب اور کفر جہل کہا جاتا ہے۔

۳۔ اگر حق کا علم ہو مگر اسے چھپا کر کوئی حق کا انکار کرے تو اس کے کفر کو کفر جود کہا جاتا ہے۔

۴۔ اور اگر منافقت کے پیش نظر حق کو چھپایا جائے تو اسے کفر نفاق کہا جاتا ہے۔

کفر اعتقادی (اعتقادی نواقض را اعتقادی مکفرات) کی بنیادی صورتیں

۱۲۔ اللہ کے بارے میں کفر اعتقادی کی بنیادی صورتیں یہ ہیں کہ

- ۱۔ اللہ کا وجود ہی تسلیم نہ کیا جائے۔
- ۲۔ یا وجود باری تعالیٰ تسلیم تو کیا جائے مگر اس طرح اور ان صفات و افعال کے ساتھ نہیں جیسے اور جس طرح قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے۔ گو یا اللہ کی صفات و افعال کا انکار کفر ہے۔
- ۳۔ یا اللہ کے ساتھ شرک کیا جائے۔ یہ شرک خواہ اس کی ذات میں ہو، صفات میں ہو یا عبادات میں۔
- ۱۳۔ نبیوں اور رسولوں کے بارے میں کفر اعتقادی یہ ہے کہ
 - ۱۔ اُن سچے نبیوں اور رسولوں میں سے کسی بھی نبی و رسول کی نبوت و رسالت کو دل سے تسلیم نہ کیا جائے کہ جن کی نبوت و رسالت قطعی دلائل سے ثابت ہے، مثلاً جس طرح یہودی اور عیسائی حضرت محمد ﷺ کی نبوت و رسالت کو تسلیم نہیں کرتے۔
 - ۲۔ یا اللہ کی طرف سے جس پیغام کو پہنچانے کی ذمہ داری نبیوں اور رسولوں کو سونپی گئی اور انہوں نے اپنی ذمہ داری پوری کرتے ہوئے وہ پیغام اپنی امتوں کے سامنے پیش کیا، اس پیغام کے برحق اور من جانب اللہ ہونے کا کلی یا جزوی طور پر انکار کرنا، جیسا کہ ان کے دور میں کافر لوگ کیا کرتے تھے۔
 - ۳۔ یا نبی کریم ﷺ کے قیامت تک آنے والے تمام لوگوں کے لیے آخری نبی ہونے کا انکار کرنا۔ یا نئے نبی کی ضرورت اور امکان کا عقیدہ رکھنا یا نبی کریم ﷺ کے بعد پیدا ہونے والے کسی شخص کو نبی و رسول سمجھنا۔
- ۴۔ اسی طرح حضور نبی کریم ﷺ سے دل میں بغض رکھنا یا آپ کی پسند سے نفرت کرنا بھی کفر اعتقادی میں شامل ہے۔
- ۱۴۔ اللہ کی منزل کردہ کتابوں کے بارے میں کفر اعتقادی یہ ہے کہ
 - ۱۔ جن کتابوں کے بارے میں قرآن و سنت کے قطعی دلائل سے ثابت ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے منزل شدہ ہیں، انہیں سرے سے منزل شدہ تسلیم نہ کرنا۔
 - ۲۔ یا ان میں سے جن میں تحریف کا ثبوت خود قرآن نے دیا ہے، انہیں تحریف سے پاک سمجھنا۔
 - ۳۔ یا قرآن مجید کے مقابلہ میں کسی اور آسمانی کتاب اور صحیفے کو ترجیح دینا۔
 - ۴۔ یا قرآن مجید کی ایک آیت یا بعض آیات کا انکار کرنا، یا قرآن مجید کو ناقص اور محرف شدہ کتاب سمجھنا یا قرآن کے کسی حکم یا خبر پر ایمان نہ رکھنا۔

۵۔ یا قرآن کی کسی حکم کے بارے میں دل میں کراہت اور بغض رکھنا۔

۱۵۔ قرآن و سنت کے بیان کردہ نہیں حقائق کے بارے میں کفر اعتقادی یہ ہے کہ انسان ان حقائق میں سے کسی حقیقت کو دل سے تسلیم نہ کرے جسے قرآن و سنت میں بڑے واضح اور دو ٹوک انداز میں بیان کیا گیا ہے، مثلاً ملائکہ (فرشتوں)، یا جنات و شیاطین کے وجود کو تسلیم نہ کرے۔ یا آخرت اور جنت و جہنم وغیرہ سے متعلقہ امور میں سے کسی بدیہی (یقینی اور واضح طور پر ثابت شدہ) چیز کو تسلیم نہ کرے۔ یا تقدیر کے اسلامی عقیدے کو سرے سے تسلیم ہی نہ کرے۔ ان چیزوں کا انکار اس لیے کفر ہے کہ یہ قرآن و سنت کے قطعی دلائل (نصوص) کو تسلیم کرنے سے انکار کے مساوی ہے!

۱۶۔ احکام شریعت کے حوالے سے کفر اعتقادی یہ ہے کہ

۱۔ انسان شریعت کے واجبات اور فرائض کو واجبات و فرائض تسلیم نہ کرے مثلاً ارکان اسلام جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج سب کو یا ان میں سے کسی بھی ایک چیز کو ضروری نہ سمجھے۔ اسی طرح اسلامی شریعت میں جس چیز کو واضح طور پر حلال کہا گیا ہے، اسے وہ حلال نہ مانے اور جسے قطعی طور پر حرام قرار دیا گیا ہے، اسے حرام ماننے سے انکار کرے۔

۲۔ اپنے یا کسی اور کے بارے میں یہ عقیدہ رکھے کہ اسے دین و شریعت پر عمل اور نبی کریم کی اطاعت کی ضرورت نہیں ہے۔

۱۷۔ نفاق اکبر (یعنی اعتقادی نفاق) بھی کفر اعتقادی ہے اور نفاق اکبر یا اعتقادی نفاق سے مراد یہ ہے کہ انسان کے دل میں ایمان نہ ہو بلکہ کفر ہو مگر ظاہری اعمال و اقوال سے وہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرے اور مسلمانوں کو دھوکا دینے کی کوشش کرے۔ نفاق کا تعلق اگرچہ باطن کے ساتھ ہے، تاہم بعض چیزیں ایسی ہیں جن کے ظہور سے کسی کے نفاق کا شبہ ہوتا ہے، اسی لیے ان چیزوں کو نفاق کے مظاہر بھی کہا جاتا ہے، مثلاً جیسے:

۱۔ دین اسلام پر طنز و تشنیع کرنا۔

۲۔ نبی کریم ﷺ یا آپ کی حدیث و سنت کے ساتھ طنزیہ انداز اختیار کرنا مگر مبہم طریقے سے۔

۳۔ مسلمانوں کے خلاف کافروں کی مدد کرنا اور مسلمانوں کی بجائے کافروں سے دوستی رکھنا۔

۴۔ کافروں اور غیر مسلموں کے کفر میں بلاوجہ شک و شبہ کرنا۔

ان چیزوں کو نفاق کے مظاہر اس لیے بھی کہا جاتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے دور میں منافقین انہی چیزوں کا ارتکاب کیا کرتے تھے۔

۱۸۔ دین کی کمی بھی ثابت شدہ اور قطعی و یقینی بات میں شک کرنا بھی کفر ہے، خواہ اس بات کا تعلق عقائد (ارکان ایمان) سے ہو یا ارکان اسلام سے یا دیگر شرعی احکام سے۔ شک سے ایمان مشکوک ہو جاتا ہے، کیونکہ ایمان کہتے ہی اس حالت کو ہیں جس میں اتنا یقین پایا جائے کہ کسی قسم کا شک باقی نہ رہے۔

۱۹۔ بہت سے اہل علم نے کافر کے کفر میں شک کرنے کو بھی اعتقادی مکلفات میں شمار کیا ہے۔

۲۰۔ کفر اعتقادی اگر ثابت اور ظاہر ہو جائے تو پھر اس کے مرتکب کے ساتھ قانونی طور پر وہی سلوک کیا جائے گا جو مرتد ہو جانے والوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ البتہ ان پر کفر و ارتداد کا حکم لگانے سے پہلے ان پر حجت قائم کی جائے گی، پھر ان سے توبہ کا مطالبہ بھی کیا جائے گا اور اگر یہ اپنے کفر پر مصر رہیں تو بالآخر انہیں قتل کی سزا دی جائے گی اور اس سزا کا اختیار ایک با اختیار اسلامی حکومت کو ہے، کوئی فرد یا جماعت اپنے طور پر قانون کو ہاتھ میں لینے کی مجاز نہیں ہے۔ اور اگر کفر اعتقادی ثابت اور ظاہر نہ ہو تو پھر یہ نفاق کی طرح ہے اور اللہ کے ہاں ایسا شخص ضرور جہنم سزا کا مستحق ہے، البتہ ایک اسلامی حکومت میں اسے وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جو دیگر مسلمانوں کو حاصل ہوتے ہیں، اس لیے کہ شریعت میں ظاہر کا اعتبار کرنے پر زور دیا گیا ہے، باطن کا نہیں۔

۲۱۔ یہ نکتہ بھی واضح رہنا چاہیے کہ اصل چیز اعتقادی کفر ہی ہے۔ قولی اور عملی طور پر کفر کا اظہار بالعموم اسی وقت ہوتا ہے جب دل میں کفر موجود ہو۔ اگر دل میں کفر نہ ہو تو پھر قول و فعل سے کفر کا ظہور عام طور پر یا تو غلطی سے ہوتا ہے، یا تاویل سے یا جہالت سے یا ایسے ہی کسی اور عذر سے۔

قولی مکلفات و قولی نواقض کی بنیادی صورتیں

۲۲۔ کفر قولی سے مراد یہ ہے کہ گزشتہ سطور میں جن اعتقادی مکلفات (یعنی کفریہ عقائد) کو بیان کیا گیا ہے، کوئی عاقل و بالغ شخص بغیر کسی جبر، دباؤ، تاویل، غلط فہمی اور لاعلمی کے ان میں سے کسی بھی کفریہ عقیدہ کے بارے میں صاف اعتراف کر لے کہ میں یہی عقیدہ رکھتا ہوں مثلاً کوئی صاف یہ اقرار کرتا ہو کہ میں کسی رب کو نہیں مانتا، یا کسی نبی اور رسول (نبوت و رسالت) کے عقیدہ کو نہیں مانتا، یا کسی شریعت اور

دین کی ضرورت نہیں سمجھتا تو ایسی تمام صورتوں میں وہ کفر قولی کا مرتکب قرار پاتا ہے، خواہ ایسا وہ تکبر و عناد کی وجہ سے کہے یا کسی اور وجہ سے۔

۲۳۔ اگر کوئی شخص اللہ یا رسول یا قرآن یا دین کو گالی دیتا ہے تو وہ صریح طور پر کفر کا مرتکب قرار پاتا ہے اور یہ بھی قولی مکفرات کی ایک صورت ہے۔

۲۴۔ اللہ یا رسول یا قرآن یا دین کو واضح طور پر گالی دیے بغیر طنز و تشنیع اور استہزا کرنا بھی قولی مکفرات کی ایک صورت ہے۔

عملی مکفرات / عملی نواقض کی بنیادی صورتیں

۲۵۔ عملی مکفرات سے مراد یہ ہے کہ گزشتہ سطور میں جن اعتقادی مکفرات (یعنی کفریہ عقائد) کو بیان کیا گیا ہے، کوئی عاقل و بالغ شخص بغیر کسی جبر، دباؤ، تاویل، غلط فہمی اور لاعلمی کے ان میں سے کسی چیز کا اپنے فعل و عمل سے ارتکاب اور اظہار کرے۔ مثلاً شریک عقیدہ کفر ہے، اسی طرح عملی طور پر شرک کرنا بھی کفر کہلاتا ہے۔ اسی طرح قرآن و سنت، شریعت، نبی کریم ﷺ اور اسلامی شعائر کے ساتھ دل میں بغض اور نفرت رکھنا کفر ہے، اور اپنے عمل سے یعنی طنز و تشنیع وغیرہ کے ذریعے اس کا اظہار کرنا عملی کفر ہے۔ اسی طرح اپنے عمل سے اگر کوئی شخص دین کا مذاق اڑائے تو وہ کفر کا مرتکب ہے۔

۲۶۔ عملی نواقض (یا عملی مکفرات) میں بعض اعمال اور افعال وہ ہیں جن کے کرنے سے کفر لازم آتا ہے، ان میں شرک، دین و شریعت اور قرآن و سنت کی توہین، نبی کریم ﷺ کو ایذا دہی وغیرہ جیسے اعمال شامل ہیں۔

۲۷۔ عملی نواقض (یا عملی مکفرات) میں بعض وہ عمل شامل ہیں جن کے چھوڑنے سے کفر لازم آتا ہے، ان کی حد بندی میں اہل علم کے ہاں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ البتہ ایک چیز جس پر اہل علم کا تقریباً اتفاق ہے، وہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص دین و شریعت پر عمل کرتا ہی نہیں تو یہ ایسا کفر ہے جس کی موجودگی میں کلمے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اسے دین سے کلی اعراض بھی کہا جاتا ہے۔

۲۸۔ اگر کوئی شخص کلی طور پر دین و شریعت پر عمل نہیں چھوڑتا مگر جزوی طور پرستی اور کوتاہی وغیرہ کے پیش نظر ارکان اربعہ (یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج) کو چھوڑتا ہے اور ان کا زبان سے انکار بھی نہیں کرتا، تو کیا وہ

بھی کفر اکبر کا مرتکب قرار پائے گا یا نہیں، اس مسئلہ میں علماء اہل سنت کا اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک یہ کفر اکبر ہے اور بعض کے نزدیک یہ کفر اکبر نہیں ہے۔ ان دونوں میں سے کفر اکبر والی رائے اختیار کرنے کو نہ 'تکفیریت' یا 'خارجیت' کہا جاسکتا ہے اور نہ ہی کفر اکبر نہ کہنے کی رائے اختیار کرنے کو 'ارجاء' اور 'مرجعت' کا الزام دیا جاسکتا ہے۔

۲۹۔ دین و شریعت کے مطابق فیصلہ اور حکم و قانون نافذ نہ کرنا بعض صورتوں میں کفر ہے اور بعض میں کفر نہیں ہے۔ جن صورتوں میں اسے کفر قرار دیا جاسکتا ہے، ان میں سے ایک صورت تو یہ ہو سکتی ہے کہ انسان اللہ کے حکم کو غیر ضروری اور غیر مفید سمجھے اور اس کے مقابلہ میں کسی بھی دنیوی قانون اور نظام کو اس سے بہتر سمجھے۔ اور اس کے پیچھے جو مرضی سوچ کار فرما ہو، خواہ یہ سوچ کار فرما ہو کہ قرآن و سنت کے مقابلہ میں کوئی دنیوی قانون اس سے زیادہ بہتر اور انسانی مفادات کا زیادہ محافظ ہے، یا یہ کہ حالات کی مناسبت سے اس میں زیادہ فوائد ہیں، وغیرہ وغیرہ۔ یا اس کے نزدیک حکم اللہ (شریعت کا قانون) اور غیر حکم اللہ (خلاف شریعت قانون) دونوں مساوی ہوں یعنی دونوں کو وہ قانونی حیثیت دینے کے لیے تیار ہو، بعض قوانین و احکام شریعت سے لے لے اور بعض دیگر انسانی دساتیر سے۔ اور اس طرح دونوں کو ایک دوسرے میں مکس اور خلط ملط کر لے۔ یا غیر اللہ کے حکم کو بہتر تو نہ سمجھتا ہو مگر یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ بعض مسائل میں غیر اللہ کے حکم کو قانونی درجہ دیا جاسکتا ہے خواہ وہ قرآن و سنت کے صریح منافی ہی کیوں نہ ہوں۔ یہ سب کفر اکبر کی صورتیں ہیں جب کہ اس کے علاوہ باقی صورتوں کو کفر اکبر قرار نہیں دیا جائے گا جن میں خواہشات نفس کے ہاتھوں مجبور ہو کر، یا کسی مادی غرض کی خاطر، یا کسی کی دوستی یا دشمنی کے پیش نظر یا ایسی ہی کسی اور وجہ سے شریعت کے خلاف فیصلہ، قانون یا حکم نافذ کیا جائے اور اسے اپنی غلطی بھی تسلیم کیا جا رہا ہو تو یہ فسق اور ظلم وغیرہ کی صورتیں ہیں۔

ضوابط تکفیر

۳۰۔ کسی مسلمان کو کافر قرار دینا کوئی چھوٹی بات نہیں ہے۔ اس لیے کلمہ گو مسلمان کو کافر کہنے میں سخت احتیاط کرنی چاہیے۔ خود اس ذمہ داری کو اپنے کندھوں پر اٹھانے اور دوسروں پر تکفیر کے فتوے جاری کرنے کی بجائے اسے امت کے جمید اور کبار علماء کے سپرد کر دینا چاہیے۔

۳۱۔ اسلام میں ظاہری حالت کو اصل قرار دیا گیا ہے اور دوسروں کے بارے میں ان کی ظاہری حالت کے مطابق بات کرنے اور ظاہری حالت ہی کو معتبر سمجھنے اور حسن ظن رکھنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اسلام میں اصل اور ظاہری چیز اسلام ہے، کفر نہیں۔ جو شخص کلمہ پڑھ لیتا ہے وہ دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتا ہے۔ اب اگر اس کے دل میں کفر ہے، تو ہم اس پر شک نہیں کریں گے اور نہ ہی اس کے کافر ہونے کا حکم لگائیں گے بلکہ اس کی ظاہری حالت کے مطابق اسے مسلمان ہی کہیں گے اور اس کے ساتھ مسلمانوں والا سلوک ہی کیا جائے گا اور ایک اسلامی حکومت میں ایسے شخص کو کلمہ پڑھ لینے کے بعد وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جو ایک مسلمان کو حاصل ہوتے ہیں۔

۳۲۔ اگر کسی شخص سے کفر کا اظہار ہو تو اس کی فوراً یہ کہہ کر تکفیر نہیں کر دی جائے گی کہ اس سے کفر ظاہر ہوا ہے، اس لیے اس کی ظاہری حالت اس کی تکفیر کا مطالبہ کرتی ہے، بلکہ اس کے بارے میں یہ حسن ظن رکھتے ہوئے کہ یہ مسلمان ہے، اللہ کو، نبی کو، اور قرآن کو ماننے والا ہے، یہ خیال کیا جائے گا کہ اس سے غلطی سے یا جہالت سے یا تاویل وغیرہ کی وجہ سے کفر کا اظہار ہوا ہوگا۔ یعنی اس کے کفر پر ہمیں ابھی شک ہے، یقین نہیں جب کہ اس کے اسلام لانے اور مسلمانوں کی صف میں شامل ہونے پر ہمیں (اس کفر ظاہر ہونے سے) پہلے سے یقین ہے، شک نہیں ہے۔ لہذا جہاں یقین اور شک کا ٹکراؤ ہو تو وہاں یقین کو شک پر ترجیح دی جائے گی۔

۳۳۔ مسئلہ تکفیر کی نزاکت اور اس سلسلہ میں احتیاط کے پیش نظر علماء اسلام نے ہمیشہ کچھ چیزوں کو تکفیر میں رکاوٹ اور مانع قرار دیا ہے۔ یہ موانع بنیادی طور پر چار ہیں یعنی:

۱۔ جہالت اور لاعلمی

۲۔ خطا اور غلطی

۳۔ تاویل

۴۔ جبر و اکراہ کی حالت۔

لہذا تکفیر کے مسئلہ میں ان چاروں چیزوں کو رکاوٹ قرار دیا جائے گا، اگر کوئی شخص ان چار حالتوں میں سے کسی حالت کے ساتھ صریح کفر کا ارتکاب کرتا ہے تو اسے اس وقت تک کافر قرار نہیں دیا جائے گا جب تک کہ اس پر حجت قائم نہ کر دی جائے۔

۳۳۔ عمل کفر اور کافر میں فرق کیا جائے گا۔ یعنی اگر کوئی شخص عمل کفر کا مرتکب ہو تو ضروری نہیں کہ اس عمل کی وجہ سے وہ کافر بھی ہو چکا ہو۔ مثلاً ایک شخص دین کے کسی ایسے یقینی اور قطعی حکم کی صاف خلاف ورزی کرتا ہے جس کی خلاف ورزی متفقہ طور پر کفر ہو، تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ بندہ اس عمل کی وجہ سے کافر ہو گیا ہے یا اس پر کافر کا فتویٰ لگا دیا جائے گا، اس لیے کہ ہو سکتا ہے کہ اس نے یہ عمل جہالت کی وجہ سے کیا ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ کسی تاویل کی بنیاد پر ایسا کر رہا ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ غلطی کی وجہ سے اس سے کفر یہ عمل سرزد ہوا ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اکراہ اور جبر کی وجہ سے وہ کفر کا ارتکاب کر رہا ہو۔ اور ان چاروں صورتوں یعنی جہالت، تاویل، غلطی اور اکراہ میں کسی شخص پر کفر یہ کام کے ارتکاب کے باوجود کافر ہونے کا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔ اسی لیے بہت سے اہل علم یہ بات بیان کرتے ہیں کہ عمل کفر اور کافر میں فرق ہوتا ہے۔ بعض لوگ اس نکتے کو سمجھ نہیں پاتے اور نتیجتاً وہ ہر ایسے شخص کو فوراً کافر کہہ دیتے ہیں جس سے کسی کفر یہ قول یا فعل کا اظہار ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ رویہ سراسر غلط ہے۔

۳۴۔ تکفیر شخصی (تکفیر معین) میں بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ اور جب تک نفس مسئلہ کا اور کفر کے مرتکب کی صورت حال کا پوری طرح علم نہ ہو جائے اور یہ واضح طور پر معلوم نہ کر لیا جائے کہ وہ کسی عذر کی وجہ سے کفر کا مرتکب نہیں ہوا تو تب تک اس پر کفر کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔ کیونکہ اگر وہ کسی ایسے سبب کے ساتھ کفر کا مرتکب ہوا ہے جس کا اعتبار ممکن ہے تو ایسی صورت میں اسے کافر قرار دینا اس کے ساتھ نا انصافی ہے۔

۳۶۔ تکفیر کے سلسلہ میں یہ بھی غلط رویہ ہے کہ ہر شخص اپنے علم کی بنیاد پر تکفیر کی ذمہ داری سنبھال لے اور جسے اپنے محدود اور انفرادی علم کی بنیاد پر کافر سمجھتا ہے، اسے دائرہ اسلام سے خارج کرنا شروع کر دیتا ہے۔ حالانکہ دائرہ اسلام سے خارج کرنا اور لوگوں پر کفر کے حکم اور فتوے لگانا کوئی ایسی معمولی اور آسان بات نہیں ہے۔ اگر کسی شخص یا گروہ کی تکفیر کا مسئلہ پیدا ہو جائے تو اس کی تکفیر کے لیے اہل علم کو اجتماعی و مشاورتی انداز میں مسئلہ کی تمام صورتوں کا گہرائی سے جائزہ لے کر تکفیر یا عدم تکفیر کے بارے میں رائے قائم کرنی چاہیے۔ ورنہ جلد بازی اور انفرادی آراء کے اظہار سے معاشرے میں انتشار اور بدامنی کی کیفیت پیدا ہوگی۔

۳۷۔ کسی شخص پر کافر کا حکم لگانے کا مطلب یہ نہیں کہ جو چاہے اس کے ساتھ لڑائی شروع کر دے یا اسے قتل

کردے۔ بلکہ اگر کوئی شخص کافر قرار پاتا ہے تو اسے مرتد کہا جاتا ہے اور اس سے حاکم وقت توبہ کا مطالبہ کرے گا اور اسے مہلت بھی دے گا۔ لیکن اگر وہ توبہ نہیں کرتا تو حکومت وقت ہی یہ اختیار رکھتی ہے کہ اسے قتل کی سزا دے۔ حکومت کے علاوہ کسی اور شخص یا گروہ کے لیے قانون ہاتھ میں لینا اور ایسے شخص کو قتل کرنا جس کے کفر کا حکم اور فتویٰ اگرچہ علماء کی اجتماعیت کی طرف سے دیا جا چکا ہو، درست نہیں ہے۔ لیکن اس کے باوجود اگر کوئی شخص انفرادی طور پر قانون کو ہاتھ میں لینے کی کوشش کرتا ہے تو وہ خوارج کی سنت پر عمل کرتا ہے جو ایک توہر کبیرہ گناہ کے مرتکب کو کافر کہتے تھے اور دوسرا یہ کہ جہاں موقع پاتے، ایسے مسلمانوں کو قتل بھی کرتے جنہیں وہ کافر سمجھتے تھے۔



العقیدۃ الطحاویة [مع الشرح: لابن ابی العزّ]

(متعلقہ مباحث کا ترجمہ)

اس حصے میں ہم سنی موقف کی اہم ترین نمائندہ کتاب یعنی 'عقیدہ طحاویہ' سے اس حصے کا ترجمہ پیش کر رہے ہیں جس میں عقائد کی بحث میں سے ایمان اور کفر کی حدود و قیود اور آداب و ضوابط کے حوالے سے بات کی گئی ہے۔ اس میں عقائد کے حوالے سے وہی موقف بیان کیا گیا ہے جو علماء اہل سنت کے ہاں تقریباً متفق علیہ ہے، البتہ جہاں کہیں جزوی اختلاف ہے، اس کی وضاحت اور تشریح یا دونوں طرح کی اختلافی آراء کے دلائل اس کتاب کے شارح علامہ ابن ابی العزّ نے اس کی شرح میں احسن طریقے سے ذکر کر دیئے ہیں۔

یہ کتاب اور اس کی یہ شرح جسے ہم نے منتخب کیا ہے، دونوں ہی اس لحاظ سے اہم ہیں کہ دونوں کے مؤلف حنفی مذہب سے نسبت رکھتے ہیں مگر جتنا یہ حنفی مذہب سے نسبت رکھتے ہیں، اتنا ہی بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ ان دونوں (یعنی کتاب اور اس کی شرح) کو ایک طرف (عرب میں) سلفی اور دوسری طرف (ہند میں) اہلحدیث مکتب فکر کے ہاں اہمیت دی جاتی اور مدارس میں اعلیٰ درجہ کی کلاسوں میں اسے سبقتاً سبقاً پڑھایا جاتا ہے۔ اسی طرح شوافع اور حنابلہ بھی اس سے یکساں استفادہ کرتے ہیں۔

اس کتاب یعنی عقیدہ طحاویہ کے مصنف علامہ ابو جعفر طحاویؒ کے بارے میں ماضی قریب کے معروف سلفی عالم دین اور محدث جناب ناصر الدین البانیؒ بیان فرماتے ہیں:

”امام ابو جعفر طحاوی حنفی (م ۳۲۱ھ) کا عقیدہ وہی ہے جو اہل سنت والجماعت کا متفق علیہ عقیدہ ہے اور اس بات پر امت کے جلیل القدر علماء کے بیروکاروں کا اتفاق ہے کیونکہ امام طحاویؒ کا عقیدہ اس عقیدے سے مطابقت رکھتا ہے جو صدیوں سے اس امت کے علماء مثلاً امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام

شافعی، امام احمد بن حنبل اور ان کے پیروکاروں کی اکثریت کا عقیدہ رہا ہے۔ اور یہ وہی عقیدہ ہے جسے امام ابو الحسن اشعری نے آخری عمر میں اختیار کر لیا تھا۔ اس عقیدے سے وہی شخص اختلاف کر سکتا ہے جس کے دل میں اعتزال یا جہمیت کی محبت اور سنت سے ضد اور عداوت کوٹ کوٹ کر بھری ہو۔ [کتاب مذکور، ص ۱۰]

اس کتاب کے شارح یعنی ابن ابی العزّ (م ۹۲ھ) حافظ ابن کثیر وغیرہ کے شاگردوں میں سے ہیں اور انہوں نے باوجود یکہ حنفی تھے، علامہ ابن تیمیہ اور ابن قیم سے عقائد کے مباحث میں بہت زیادہ استفادہ کیا ہے۔ اور ان کے ہاں تقلید و جمود کی وہ صورت بالکل دکھائی نہیں دیتی جو مختلف فقہی مسالک سے وابستہ اہل علم میں بعض اوقات نظر آتی ہے۔

علامہ البانی کے شاگرد اور موجود نسخہ جو اس وقت ہمارے پیش نظر ہے، کے محقق و صحیح جناب زہیر شاولیش اس کتاب اور اس پر ابن ابی العزّ کی اس شرح کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اس عقیدے (یعنی کتاب عقیدہ طحاویہ) نے علماء کے ہاں بہت زیادہ پذیرائی حاصل کی اور علماء کی ایک بڑی تعداد نے اس کی شروحات لکھیں، اور ان شروحات میں سے سب سے اچھی اور مشہور شرح یہی (ابن ابی العزّ کی) ہے۔ کیونکہ شارح نے اس کی شرح میں سلف کے عقیدہ کو بڑے عمدہ طریقے اور اچھے اسلوب بیان کے ساتھ پیش کیا ہے۔ شارح نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد حافظ ابن قیم کی کتابوں سے بہت زیادہ استفادہ کیا ہے مگر ان کا حوالہ نہیں دیا، ہو سکتا ہے کہ اس میں ان کے لیے کوئی مجبوری ہو۔“ [کتاب مذکور، ص ۶]

آئندہ صفحات میں ہم ڈبے (Box) کے اندر عقیدہ طحاویہ کے متن سے اپنے موضوع سے متعلقہ حصہ کا ترجمہ ذکر کریں گے اور ڈبے سے نیچے اس کی شرح کا ترجمہ پیش کریں گے۔ ہمارے سامنے: العقیلة الطحاویة مع شرح ابن ابی العزّ (ص ۳۱۳ تا ۳۸۶)، کا وہ نسخہ رہا ہے جو المکتب الاسلامی، بیروت، نے علامہ البانی کی تحقیق کے ساتھ شائع کیا ہے۔

اس سلسلہ میں یہ واضح رہے کہ ترجمہ کے دوران تکرار اور بعض غیر ضروری مباحث کو طوالت کے خوف سے ہم نے حذف کر دیا ہے۔ اور ہر ایسی جگہ پر چند نکات یعنی..... کی علامت دے کر اس کی نشاندہی کر دی ہے۔ امید ہے کہ یہ ضمیمہ اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والے اردو دان طبقہ کے لیے مفید ثابت ہوگا۔ البتہ

تفصیل کا شوق رکھنے والے قارئین سے ہم یہ درخواست ضرور کریں گے کہ وہ عقائد و ایمانیات سے متعلقہ مباحث کے لیے اصل کتاب کو ملاحظہ کریں اور یہ پوری کتاب (یعنی شرح العقیدۃ الطحاویہ: لابن ابی العز) اس لائق ہے کہ اس کا بغور مطالعہ کیا جائے۔

”ہم تمام اہل قبلہ کو مسلمان اور مومن کہتے ہیں جب تک کہ وہ ہر اس چیز کا اعتراف کرتے رہیں جو نبی کریم ﷺ لائے ہیں اور جو کچھ آپ ﷺ نے فرمایا ہے، اس کی تصدیق بھی کرتے رہیں۔“

تمام اہل قبلہ مسلمان ہیں

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: ”جس نے ہماری طرح نماز پڑھی اور ہمارے قبلہ کی طرف رخ کیا اور ہمارا ذبیحہ کھایا پس وہ مسلمان ہے، اسے بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو ہمیں (یعنی مسلمانوں کو) حاصل ہیں اور اس کے ذمہ وہی فرائض عائد ہوں گے جو ہمارے ذمہ ہوتے ہیں۔“ [بخاری، کتاب الصلاة] امام طحاویؒ یہاں اس طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ اسلام اور ایمان ایک ہی چیز کے دو نام ہیں اور مسلمان کسی گناہ کی وجہ سے دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا بشرطیکہ وہ گناہ کو حلال کرنے والا نہ ہو۔ اور آپ نے جو یہ اہل قبلہ کا جملہ استعمال کیا ہے، اس سے آپ کی مراد وہ شخص ہے جو اسلام کا دعویٰ کرنے والا ہو، کعبہ کی طرف (نماز کے وقت) منہ کرنے والا ہو، اگرچہ وہ اہل الہواء (گمراہ فرقوں) میں سے ہو یا گنہگاروں میں سے ہو، البتہ وہ اس چیز کی تکذیب کرنے والا نہ ہو جو نبی کریم ﷺ لے کر آئے ہیں۔.....

”ہم اللہ کے بارے میں غور و حوض نہیں کرتے اور نہ ہی اللہ کے دین میں جھگڑا کرتے ہیں۔“

فلسفیانہ بحثوں سے اجتناب

یہاں شیخ طحاویؒ متکلمین کی باطل بحثوں سے باز آنے اور ان کے علم کی مذمت کرنے کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کیونکہ یہ لوگ اللہ کے بارے میں بغیر علم اور بغیر کسی یقینی دلیل کے بحثیں کرتے ہیں۔.....

”ہم قرآن کے بارے میں بھی جھگڑا نہیں کرتے اور ہم تو گواہی دیتے ہیں کہ قرآن اللہ رب العالمین کا کلام ہے جسے روح الامین جبریل علیہ السلام لے کر نازل ہوئے اور سید المرسلین محمد ﷺ کو انہوں نے قرآن سکھایا۔ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اس لیے مخلوق میں سے کسی کا کلام اس کے برابر نہیں ہو سکتا۔ ہم قرآن کے بارے میں یہ نہیں کہتے کہ یہ مخلوق ہے اور نہ ہی ہم اس مسئلہ میں مسلمانوں کی جماعت (اجتماعیت) کی مخالفت کرتے ہیں۔

اور ہم اہل قبلہ میں سے کسی شخص کو کسی گناہ کی وجہ سے کافر قرار نہیں دیتے جب تک کہ وہ گناہ کو حلال قرار نہ دیتا ہو اور نہ ہی ہم یہ کہتے ہیں کہ ایمان لانے کے بعد کوئی گناہ بھی نقصان نہیں پہنچاتا۔“

اہل قبلہ (مسلمانوں) کی تکفیر کا مسئلہ

..... یہاں شیخ طحاوی نے اہل قبلہ سے مراد وہ لوگ لیے ہیں جن کے بارے میں انہوں نے پیچھے ذکر کیا ہے کہ ”ہم اہل قبلہ کو مسلمان اور مومن کہتے ہیں جب تک کہ وہ ہر اس چیز کا اعتراف کرتے رہیں جو نبی کریم ﷺ لائے ہیں اور جو کچھ آپ ﷺ نے فرمایا ہے، اس کی وہ تصدیق بھی کرتے رہیں۔“ اور اس کے ساتھ شیخ طحاوی خوارج کی تردید کرنا چاہتے ہیں جو مسلمانوں کی ہر گناہ کے ساتھ تکفیر کرتے ہیں۔

اللہ ہم سب پر رحم کرے، آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ تکفیر اور عدم تکفیر کا مسئلہ ایسا ہے جس سے بہت بڑا فتنہ پیدا ہوا، لوگوں کے اس مسئلہ کی وجہ سے کئی فرقے بن گئے اور اس میں عجیب و غریب نقطہ ہائے نظر سامنے آئے اور ایک دوسرے کے خلاف دلائل کی بھرمار ہوئی۔

جو لوگ گمراہ کن باتیں کرتے ہیں اور ایسے فاسد عقائد رکھتے ہیں جو اس دین حق کے صریح خلاف ہیں جو اللہ نے اپنے نبی ﷺ پر نازل کیا ہے، ان کی تکفیر اور ان لوگوں کی تکفیر کے بارے میں جو عملی طور پر کبیرہ گناہوں کے مرتکب ہوتے ہیں، لوگ یا تو ایک انتہا پر ہیں یا دوسری انتہا پر اور کچھ لوگ اس مسئلہ میں اعتدال پر ہیں۔

ایک گروہ کا کہنا ہے کہ ہم اہل قبلہ میں سے کسی کی بھی تکفیر نہیں کرتے۔ گویا انہوں نے تکفیر کی بالکل نفی کر دی حالانکہ انہیں اس بات کا علم ہے کہ اہل قبلہ میں ایسے منافق بھی ہوتے ہیں جو قرآن، سنت اور اجماعی مسائل میں یہود و نصاریٰ سے بھی بڑھ کر کافر ہوتے ہیں اور ان منافقوں میں سے بعض ایسے بھی ہوتے ہیں

کہ جب انہیں موقع ملتا ہے وہ اپنی خباثت کا اظہار بھی کرتے ہیں جب کہ بظاہر وہ شہادتین کا اقرار کرتے ہیں۔ اسی طرح مسلمانوں میں اس بات میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا کہ اگر کوئی آدمی ان واجبات و فرائض یا محرمات وغیرہ کی خلاف ورزی کرے جو بالکل ظاہر اور متواتر کے درجہ میں ثابت ہیں تو اس سے توبہ کرائی جائے گی، وہ توبہ کر لے تو ٹھیک ورنہ اسے کافر و مرتد قرار دے کر قتل کر دیا جائے گا۔

نفاق اور ارتداد کا گمان وہاں ہوتا ہے جہاں بدعات اور گناہ دکھائی دیں جیسا کہ امام خلال اپنی کتاب السنۃ میں سند کے ساتھ محمد بن سرین کے حوالے سے نقل فرماتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: ”ارتداد سب سے جلدی خواہش پرست لوگوں میں پایا جاتا ہے“۔ اور ان کی رائے یہ تھی کہ قرآن مجید کی درج ذیل آیت انہی لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے:

﴿وَإِذْ رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ﴾ [سورة الانعام: ٦٨]

”جب آپ ان لوگوں کو دیکھیں جو ہماری آیات میں کلام کرتے ہیں تو ان سے بے رنجی کر لیجیے حتیٰ کہ وہ کسی اور بحث میں مشغول ہو جائیں“۔

بہت سے اہل علم نے اس طرح کہنے سے منع کیا ہے کہ ”ہم کسی بھی گناہ کی وجہ سے کسی کو بھی کافر قرار نہیں دیتے“۔ البتہ اس کی بجائے اہل علم نے کہا ہے کہ اس طرح کہنا چاہیے کہ ”ہم ہر گناہ کی بنیاد پر تکلیف نہیں کرتے“۔ جیسا کہ خوارج کی عادت ہے۔

ان دونوں جملوں میں وہ فرق ہے جو نفی عام اور نفی عموم کے درمیان پایا جاتا ہے اور اس مسئلہ میں ضروری ہے کہ نفی عموم والی رائے اختیار کی جائے تاکہ خوارج کا بھی رد ہو سکے جو ہر گناہ کے مرتکب پر کفر کا حکم لگاتے ہیں۔ اسی لیے شیخ طحاویؒ نے اپنی عبارت میں یہ قید لگائی ہے کہ ”جب تک کہ وہ (گنہگار) گناہ کو حلال قرار نہ دیتا ہو (ہم اسے کافر نہیں کہیں گے)“۔

اسی طرح شیخ طحاویؒ نے جو یہ کہا کہ ”اور نہ ہی ہم یہ کہتے ہیں کہ ایمان لانے کے بعد کوئی گناہ بھی نقصان نہیں پہنچاتا.....“۔ اس سے دراصل وہ مرجعہ کی تردید کرنا چاہتے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ایمان موجود ہو تو کسی طرح کا گناہ انسان کو نقصان نہیں دیتا جس طرح کفر موجود ہو تو کسی طرح کی نیکی فائدہ نہیں دیتی۔

یہ لوگ بھی ایک دوسری انتہا پر ہیں، جس طرح خوارج ایک انتہا پر ہیں، اور کہتے ہیں کہ ہم ہر گناہ یا (کم از

کم) ہر کبیرہ گناہ کے مرتکب کو کافر کہیں گے اور اسی طرح معتزلہ کہتے ہیں کہ کبیرہ گناہ کے ساتھ ایمان کا کلی طور پر خاتمہ ہو جاتا ہے۔ خوارج تو ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ ایسا شخص ایمان سے نکل جاتا اور کفر میں داخل ہو جاتا ہے جب کہ معتزلہ کہتے ہیں کہ ایسا شخص ایمان سے نکل جاتا ہے مگر کفر میں داخل نہیں ہوتا بلکہ دونوں درجوں کے درمیان معلق رہتا ہے، البتہ ایمان سے چونکہ یہ نکل جاتا ہے اس لیے جہنم میں ہمیشہ رہے گا۔

مشکلمین، فقہاء اور محدثین میں سے بعض لوگ اعمال میں (کبار کے مرتکب کے بارے میں) یہ بات نہیں کہتے (جو خوارج وغیرہ کہتے ہیں)، البتہ عقیدے کی بدعتوں کے مرتکب کے بارے میں وہ تکفیر کی بات کرتے ہیں، خواہ کوئی تاویل کی بنیاد پر غلطی کر رہا ہو۔ چنانچہ یہ کہتے ہیں کہ ہر ایسے شخص کو کافر کہا جائے گا جو ایسی بات کہے (جو عقائد کے لحاظ سے بدعت ہو) اور اس سلسلہ میں اجتہاد سے غلطی کرنے والے اور غلطی نہ کرنے والے کے درمیان یہ فرق نہیں کرتے، یا پھر یہ کہتے ہیں کہ (عقائد میں) ہر بدعتی کافر ہے۔

لیکن اس طرح کہنے سے کئی ایک بڑے مسئلے پیدا ہوتے ہیں کیونکہ کئی ایک ایسی متواتر احادیث ہیں جو اس بات پر صاف دلالت کرتی ہیں کہ جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہو وہ جہنم سے نکال لیا جائے گا۔ اسی طرح وہ تمام دلائل جو (گنہگار ایمان والوں کے لیے جنت کے) وعدے سے متعلق ہیں اور جن سے یہی لوگ استدلال بھی کرتے ہیں، یہ دلائل ان دلائل سے ٹکراتے ہیں جو (گنہگار کے لیے ہمیشہ جہنم میں رہنے کی) وعید کے بارے میں ہیں اور جن سے دوسرے لوگ (جو ہر گناہ پر کفر کا فتویٰ لگاتے ہیں) استدلال کرتے ہیں۔ اس کی تفصیل اپنے مقام پر آئے گی، کچھ بحث وہاں بھی آئے گی جہاں شیخ طحاوی نے کہا ہے کہ ”اہل کبار ہمیشہ کے لیے جہنم میں نہیں جائیں گے بشرطیکہ وہ توحید پر مرمے ہوں۔“

یہاں مقصود یہ بتانا ہے کہ بدعات بھی اسی (کبار کی) قسم سے ہیں۔ مومن بعض اوقات ظاہری اور باطنی ہر لحاظ سے مومن ہوتا ہے لیکن وہ تاویل میں غلطی کر جاتا ہے یا تو یہ غلطی اجتہاد کی بنیاد پر ہوتی ہے یا گناہ کی بنیاد پر، اس لیے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس شخص کا ایمان محض اس غلطی کی وجہ سے ختم ہو گیا ہے، الا یہ کہ اس کے بارے میں کوئی شرعی دلیل موجود ہو، ورنہ یہ ایسے ہی ہے جیسے خوارج اور معتزلہ کہتے ہیں۔ اور ہم یہ بھی نہیں کہتے کہ تکفیر کی ہی نہیں جاسکتی، بلکہ عدل ان دونوں کے درمیان میں ہے اور وہ یہ ہے کہ

”ہر وہ قول جو بدعت ہو، حرام ہو اور اس سے کسی ایسی چیز کی نفی ہوتی ہو جسے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت قرار دیا ہو، یا اس چیز کا ثبوت ہوتا ہو جس کی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے نفی کی ہے، یا اس چیز کا حکم لازم آتا ہو جس کی ممانعت

کی گئی ہے یا اس چیز کی ممانعت ہوتی ہو جس کا حکم دیا گیا ہے تو اس میں حق بات کہی جائے گی اور (جہنم کی) اس وعید کو بیان کیا جائے گا جو دلائل سے ثابت ہے اور اس کے بارے میں صراحت سے کہا جائے گا کہ یہ کفر ہے اور یہ بھی کہا جائے گا کہ جو اس کا مرتکب ہو وہ کافر ہوگا وغیرہ وغیرہ۔“.....

تکفیر مطلق اور تکفیر معین کا مسئلہ

البتہ اگر کسی معین شخص کے بارے میں یہ پوچھا جائے کہ کیا تم اسے ان لوگوں میں شمار کرتے ہو جن کے بارے میں (جہنم کی) وعید ہے اور کیا تم کہتے ہو کہ یہ کافر ہے؟ تو یہ بات ہم اس کے بارے میں اس وقت تک نہیں کہہ سکتے جب تک کہ وہ حالت ہمارے سامنے نہ ہو جس میں ایسی بات کہنی جاسکتی ہے۔ اس لیے اس سے بڑی تہمت اور کیا ہو سکتی ہے کہ کسی شخص معین کے بارے میں یہ کہا جائے کہ اللہ اس کی بخشش نہیں کرے گا، اس پر رحم نہیں کرے گا بلکہ اسے ہمیشہ جہنم میں رکھے گا۔ یہ تو کافر کا حکم ہے جو اس پر اس کے (حالت کفر ہی میں) مرنے کے بعد لگایا جاتا ہے۔ اسی لیے امام ابو داؤد نے اپنی سنن کی ’کتاب الآداب‘ میں یہ باب قائم کیا ہے: ’تہمت کی ممانعت کا بیان‘۔ اور اس میں انہوں نے یہ حدیث ذکر کی ہے کہ

”حضرت ابو ہریرہؓ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا، آپ نے ارشاد فرمایا کہ بنی اسرائیل میں دو آدمی تھے جو بھائی بنے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک گنہگار تھا اور دوسرا خوب عبادت گزار تھا۔ یہ عبادت گزار دوسرے کو ہمیشہ گناہ ہی کی حالت میں دیکھتا اور اسے گناہ سے باز آنے کا کہتا۔ ایک مرتبہ جب اس نے اسے گناہ کی حالت میں دیکھا تو اس سے کہنے لگا کہ باز آ جا۔ اس نے آگے سے جواب دیا کہ آپ میرا اور میرے رب کا معاملہ چھوڑ دیجیے، کیا آپ مجھے پر دار و نغے مقرر ہوئے ہیں؟ تو عبادت گزار نے کہا: اللہ کی قسم! اللہ تمہیں نہیں بخشے گا۔ یا اس نے کہا کہ اللہ تمہیں جنت میں داخل نہیں کرے گا۔ پھر اللہ نے ان دونوں کی روحمیں قبض کر لیں اور وہ دونوں اللہ کی بارگاہ میں پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے عبادت گزار سے کہا کیا تم مجھے جانتے ہو؟ کیا تمہیں معلوم ہے میرے ہاتھوں میں کتنی قدرت ہے؟ اور پھر گنہگار سے اللہ نے کہا کہ جاؤ میری رحمت سے میری جنت میں داخل ہو جاؤ۔ اور اس عبادت گزار سے کہا کہ جاؤ آگ میں چلے جاؤ۔ ابو ہریرہؓ بیان فرماتے ہیں کہ آدمی (بعض دفعہ) ایسی بات کہہ دیتا ہے جس کی وجہ سے وہ اپنی دنیا اور آخرت دونوں کو برباد کر بیٹھتا ہے۔“ یہ حدیث حسن

درج کی ہے۔

مکفیر کے موانع اور شرائط و ضوابط

دراصل ایک معین شخص کے بارے میں یہ امکان موجود ہے کہ وہ (کسی کفریہ کام میں) اجتہادی غلطی پر ہو اور اس طرح وہ غلطی اس کے لیے قابل معافی ہو۔ یا یہ بھی ممکن ہے کہ اس مسئلہ میں دلائل اس تک پہنچے ہی نہ ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ (اس غلطی کے باوجود) اس کا ایمان اور نیکیاں اتنی عظیم ہوں کہ اسی سبب وہ اللہ کی رحمت کا مستحق بن جائے جیسا کہ اس شخص کی بخشش ہو گئی تھی جس نے (اپنی اولاد سے) کہا تھا کہ جب میں مر جاؤں تو مجھے جلادینا اور (میری راکھ) ہو میں اڑادینا۔ پھر بھی اللہ تعالیٰ نے اسے بخش دیا اس لیے کہ وہ اللہ سے ڈرتا تھا۔ حالانکہ اس کے ساتھ وہ یہ گمان بھی رکھتا تھا کہ اللہ تعالیٰ اس (کی لاش کے اجزا) کو جمع کرنے اور اسے پھر سے لوٹانے کی قدرت نہیں رکھتا یا وہ اس سلسلہ میں شک میں مبتلا تھا لیکن آخرت کے سلسلہ میں یہ توقف اس بات سے ہمیں منع نہیں کرتا کہ ہم دنیا میں اس کو سزا نہ دیں، یا اسے اس کی بدعت سے نہ روکیں یا اس سے توبہ کا مطالبہ نہ کریں اور توبہ نہ کرنے کی صورت میں اسے قتل کی سزا نہ دیں۔

جب کوئی قول فی نفسہ کفر ہو تو کہا جائے گا کہ یہ کفر ہے اور اس کے قائل پر کافر ہونے کا فتویٰ کفر کی شرائط اور موانع تکفیر کی عدم موجودگی میں لگایا جائے گا اور یہ صورت اسی وقت پیدا ہوتی ہے جب کوئی شخص منافق اور زندیق ہو جائے۔ اس لیے اہل قبلہ میں سے کسی ایسے شخص کے بارے میں کفر کے فتویٰ کا تصور نہیں کیا جا سکتا جو اسلام کا اظہار بھی کرتا ہو، ہاں الا یہ کہ وہ منافق اور زندیق ہو۔ قرآن مجید میں اسی چیز کی وضاحت موجود ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو تین قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ ایک قسم وہ جو کافر ہیں، یہ خواہ مشرک ہوں یا اہل کتاب۔ یہ وہ لوگ ہیں جو شہادتین کا بھی اقرار نہیں کرتے۔ دوسری قسم وہ ہے جو ظاہر اور باطناً مومن ہیں۔ اور تیسری قسم وہ ہے جو ظاہری طور پر اسلام کا اقرار کرتی ہے مگر باطنی طور پر نہیں۔ [یعنی منافق] یہ تینوں قسمیں سورۃ البقرۃ کے شروع میں مذکور ہیں۔ اور ہر وہ شخص جس کے بارے میں یہ ثابت ہو جائے کہ یہ کافر ہے جبکہ وہ شہادتین کا بھی اقرار کرتا ہو تو وہ ایسا ہی شخص ہو سکتا ہے جو زندیق ہے اور زندیق ہی اصل منافق ہے۔

یہاں (مسئلہ تکفیر میں) دونوں انتہاؤں کی غلطی واضح ہو جاتی ہے۔ پس جس نے ہر اس شخص کو کافر کہا جو

عقائد میں بدعت کی بات کرے تو اس سے لازم آئے گا کہ وہ ایسے لوگوں کی بھی تکفیر کر رہا ہے جو باطناً منافق نہیں ہیں بلکہ دل سے وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرنے والے ہیں، اللہ اور رسول ﷺ پر ایمان رکھنے والے ہیں، اگرچہ اس کے ساتھ ان سے گناہ بھی ہوتے ہیں۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت عمرؓ کے غلام اسلم حضرت عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے دور میں عبد اللہ نامی ایک شخص تھا جسے ہمار (گدھا) کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ وہ شخص نبی کریم ﷺ کو ہنسایا کرتا تھا۔ آپ ﷺ نے اسے شراب پینے کے جرم میں کوڑے لگائے، پھر وہ ایک دن (اسی جرم میں پکڑ کر) لایا گیا اور آپ ﷺ کے حکم سے اسے پھر کوڑے لگائے گئے۔ [جب ایک سے زیادہ مرتبہ ایسا ہوا تو حاضرین میں سے کسی شخص نے [غصہ میں] آ کر کہا:

((اَللّٰهُمَّ الْعَنُ مَا اُكْفَرْنَا بِهُ))

”اللہ اس پر لعنت کرے، کتنی بار اسے اس جرم میں لایا گیا ہے!“

((فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: لَا تَلْعَنُوْهُ [فَوَاللّٰهِ مَا عَلِمْتُ] اَنَّهُ يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ))

تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”اس پر لعنت نہ کرو، اللہ کی قسم! جہاں تک میری معلومات ہیں، یہ شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرنے والا ہے.....!“

اس بات میں قطعی کوئی شک نہیں کہ بہت سے گروہ اور بڑے بڑے اہل علم اور متدین حضرات اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت رکھنے والے ہوتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ ان میں (کلی طور پر نہیں، البتہ جزوی طور پر) کئی غلط باتیں یا توجہیہ سے آئی ہوتی ہیں، یا مرجہ سے، یا قدریہ سے یا شیعہ سے یا خارجیوں سے، البتہ یہ لوگ ان غلط (بدعتی) باتوں سے کلی طور پر متاثر و مرتکب نہیں ہوتے بلکہ جزوی طور پر ہوتے ہیں اور اسی لیے ان اہل الالبواء (خواہش پرست گمراہ) لوگوں کو ان معروف ائمہ سلف میں سے کسی کی طرف اپنے انتساب کا موقع مل جاتا ہے۔

اہل بدعت کے عیوب میں سے ایک یہ عیب ہے کہ ان میں سے بعض بعض کی تکفیر کرتا ہے جبکہ اہل علم کی قابل تعریف باتوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ دوسروں کو خطا کار تو کہتے ہیں مگر کافر نہیں کہتے۔

کفر اکبر اور کفر اصغر: ایک اشکال

یہاں ایک اشکال اب بھی باقی ہے، وہ یہ کہ شریعت میں بعض گناہوں پر کفر کا لفظ بولا گیا ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ﴾ [سورة المائدة: ٤٤]

”اور جو لوگ اللہ کی اتاری ہوئی وحی کے ساتھ فیصلہ نہ کریں وہ کافر ہیں۔“

اور بخاری و مسلم کی ابن مسعودؓ سے مروی حدیث میں ہے کہ ”مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے لڑنا کفر ہے۔“ اور ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو۔“ بخاری و مسلم کی ایک اور حدیث جو ابن عمرؓ سے مروی ہے، میں ہے: ”جس نے اپنے مسلمان بھائی سے کہا: اے کافر! تو ان دونوں میں سے کوئی ایک کافر ہے۔“

ابن عمرؓ ہی سے مروی بخاری و مسلم کی ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”چار چیزیں ایسی ہیں کہ جس میں یہ پائی جائیں وہ پکا منافق ہے اور جس میں ان چار میں سے کوئی ایک پائی جائے تو اس میں نفاق کی خصلتوں میں سے ایک خصلت موجود ہے جب تک کہ وہ اسے چھوڑ نہ دے۔ (اور وہ چار چیزیں یا خصلتیں یہ ہیں): (۱) جب امانت سونپی جائے تو اس میں خیانت کرنا۔ (۲) بات کرتے ہوئے جھوٹ بولنا۔ (۳) وعدہ کر کے اسے پورا نہ کرنا۔ (۴) جھگڑا ہو جائے تو گالی گلوچ کرنا۔“

ایک حدیث میں ہے: ”زانی جب زنا کرتا ہے تو مومن نہیں ہوتا، چور جب چوری کرتا ہے تو مومن نہیں ہوتا، شرابی جب شراب پیتا ہے تو مومن نہیں ہوتا اور تو بہ اس کے بعد پیش آتی ہے۔“

اسی طرح مسلم میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”مسلمان اور کافر کے درمیان فرق کرنے والی چیز نماز ہے۔“

آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ”جو شخص کاہن کے پاس آیا اور اس کی تصدیق کی، اور جس نے اپنی بیوی سے دہر میں جماع کیا تو ان (دونوں) نے اس چیز کا کفر کیا جو محمد ﷺ پر نازل کی گئی ہے۔“

آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ”جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے کفر کیا۔“ حاکم نے یہ روایت کی ہے۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ”میری امت میں دو باتیں کفر کی ہیں: ایک نسب میں طعن کرنا اور دوسری میت

پر نوہ کرنا ہے۔“ اسی طرح کی اور کئی مثالیں ہیں۔

گزشتہ اشکال کا جواب

اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب ایسا کفر نہیں کر رہا ہوتا جو اسے ملت مسلمہ سے کلی طور پر نکال دینے والا ہو، برخلاف اس کے جو خوارج کی رائے ہے، [خوارج کبیرہ گناہ کے مرتکب کو خارج عن الملتہ کافر قرار دیتے ہیں] کیونکہ اگر اس شخص کا کفر اسے ملت سے خارج کر دے تو وہ تو مرتد قرار پائے اور ہر حال میں اسے قتل کی سزا دی جائے اور اس سے (قتل کے گناہ کی صورت میں) مقتول کے ولی سے معافی کا راستہ بالکل ختم ہو جائے، اسی طرح زنا، چوری، شراب خوری وغیرہ کی صورتوں میں بھی اس پر (قتل کے علاوہ) حدود جاری ہی نہ کی جاسکیں۔ حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے اور دین اسلام کے صریح خلاف ہے۔

اہل سنت کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب ایمان اور اسلام سے خارج نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ کفر میں داخل ہو جاتا ہے اور نہ ہی وہ کافروں کی طرح ہمیشہ کے لیے جہنم کا مستحق قرار پاتا ہے جیسا کہ معتزلہ کی رائے ہے [کہ یہ ہمیشہ کے لیے جہنمی ہے]۔ معتزلہ کی یہ رائے بالکل باطل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کبیرہ گناہ کے مرتکب کو مومن ہی کہا ہے۔ [دیکھیے: سورة البقرة: ۱۷۸-۱۷۹ سورة الحجرات: ۱۰، ۹].....

اسی طرح قرآن و سنت کے دلائل اور اجماع امت سے یہ بات ثابت ہے کہ زانی، چور اور تہمت لگانے والے کو قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ اس پر حد قائم کی جائے گی، جس سے صاف یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایسا شخص (ان کبار کے ارتکاب کے باوجود) مرتد نہیں ہے۔.....

معتزلہ اور خوارج کا اخروی معاملات کے لحاظ سے اس بات پر اتفاق ہے کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب ہمیشہ جہنم میں رہے گا، لیکن (دنیوی حکم کے اعتبار سے) خوارج کہتے ہیں کہ ایسے شخص کو ہم کافر کہیں گے اور معتزلہ کہتے ہیں کہ ایسے شخص کو ہم فاسق کہیں گے۔ حالانکہ ان دونوں گروہوں کا یہ اختلاف محض لفظی ہے۔

اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب اس وعید کا مستحق ہے جو اس کے گناہ کے حساب سے لازم آتی ہے، اور وہ قرآن و سنت میں بیان کر دی گئی ہے۔ اہل سنت و جمہور کی طرح یہ نہیں کہتے کہ

”ایمان کے بعد گناہ سے کوئی نقصان نہیں ہوتا جس طرح کفر کے ساتھ نیکی کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا“.....

اہل سنت کی کبیرہ گناہ کے مرتکب کے بارے میں جو اتفاق رائے ہے، اسے معلوم کر لینے کے بعد آپ کو یہ بھی معلوم ہو جانا چاہیے کہ اہل سنت کے ہاں اس سلسلہ میں لفظی اختلاف ہے جس سے کوئی فساد لازم نہیں آتا۔ اور وہ اختلاف یہ ہے کہ کیا کفر کے بھی مراتب ہوتے ہیں، یعنی کوئی کفر بڑا اور کوئی چھوٹا بھی ہوتا ہے؟ جس طرح اہل سنت کا اس میں اختلاف ہے کہ کیا ایمان کے بھی مراتب ہوتے ہیں؟ یعنی ایمان کی اعلیٰ حالت اور ادنیٰ حالت۔ یہ اختلاف اس لیے پیدا ہوا کہ اہل سنت کے ہاں لفظ ایمان کی تعریف و حدود میں اختلاف تھا کہ ایمان قول و عمل کا نام ہے، جو زیادہ بھی ہوتا ہے اور کم بھی، یا ایسی بات نہیں ہے؟ تاہم اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جسے اللہ اور اس کے رسول نے کافر کہا ہے، ہم بھی اسے کافر کہیں گے۔ اس لیے یہ بات ممکن نہیں کہ اللہ اور اس کا رسول دین کے برخلاف حکم و قانون سازی کرنے والے کو کافر کہیں اور ہم اسے کافر نہ کہیں۔ لیکن (اہل سنت میں سے) جن لوگوں کی یہ رائے ہے کہ ایمان قول و عمل کا نام ہے اور اس میں کمی بیشی بھی ہوتی ہے، ان کی رائے یہ ہے کہ یہ عملی کفر ہے، اعتقادی کفر نہیں ہے۔ ان کے نزدیک کفر اکبر اور کفر اصغر کے اسی طرح درجات ہیں جس طرح ایمان کے درجات ہیں۔

اور جن کی رائے یہ ہے کہ ایمان صرف تصدیق کا نام ہے اور عمل اس کی تعریف میں داخل نہیں اور کفر انکار کا نام ہے اور ایمان یا کفر دونوں نہ زیادہ ہوتے ہیں اور نہ کم ہوتے ہیں، تو وہ (ان نصوص جن میں بعض کبیرہ گناہوں پر کفر کا اطلاق کیا گیا ہے، کے بارے میں) کہتے ہیں کہ یہاں کفر سے مجازی معنی مراد ہے، حقیقی معنی مراد نہیں ہے کیونکہ حقیقی کفر تو ملت سے خارج کر دیتا ہے۔ اسی طرح جن اعمال کو ایمان کا نام دیا گیا ہے مثلاً جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضَيِّعَ إِيمَانَكُمْ﴾ [سورة البقرة: ۱۴۳]

”اور اللہ تمہارے ایمانوں کو ضائع کرنے والا نہیں ہے۔“

یعنی بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے (کے عمل) کو یہاں ایمان قرار دیا گیا، تو ان کے بارے میں بھی یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہاں ایمان کا مجازی معنی مراد ہے، یا تو اس لیے کہ اس عمل کی صحت کا دار و مدار ایمان پر ہے یا اس لیے کہ یہ عمل ایمان پر دلالت کرنے والا ہے اور جو یہ عمل کرتا ہے، اس کے مؤمن ہونے پر اس سے دلالت ہوتی ہے۔ اسی لیے کافر اگر (اسلام قبول کر لے اور) ہمارے قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز

پڑھے تو ہم اس پر مسلمان ہونے کا حکم لگائیں گے۔ اور امت کے فقہاء کا اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ گناہوں کے مرتکب اگر ظاہر و باطناً اس دین کا اقرار کرتے ہیں جو نبی کریم ﷺ لے کر آئے ہیں اور جو آپ ﷺ سے تو اتر سے ثابت ہے تو یہ ان لوگوں میں سے تو ہیں جنہیں (گناہوں پر سزا کی) وعید سنائی گئی ہے مگر انہیں یہ کہنا کہ یہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے تو یہ بات غلط ہے اور یہی بات (ایسے لوگوں کے بارے میں) خوارج اور معتزلہ نے کہی ہے۔.....

’الحکم بغیر ما نزل اللہ‘ بعض حالتوں میں کفر اکبر ہے اور بعض میں کفر اصغر

یہاں یہ بحث بھی توجہ کے لائق ہے کہ اللہ کے نازل کردہ دین کے علاوہ کسی اور چیز کے ساتھ قانون سازی کبھی تو ایسا کفر ہے جو ملت سے خارج کر دیتا ہے اور کبھی یہ معصیت کے درجہ میں ہوتا ہے خواہ وہ معصیت کبیرہ ہو یا صغیرہ۔ اور یہ بھی کفر ہی ہے یا تو مجازی طور پر اسے کفر کہا جاتا ہے یا (کفر اکبر کے مقابلہ میں اسے) کفر اصغر کہا جاتا ہے۔ یہ اطلاق حاکم کی حالت کی مناسبت سے ہے۔ اگر تو وہ یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ کے نازل کردہ دین کے مطابق قانون سازی واجب نہیں بلکہ اختیاری ہے، یا اللہ کے حکم کو جاننے بوجھتے مذاق کا نشانہ بناتے ہوئے ایسا کرے تو دونوں صورتوں میں اس کا کفر کفر اکبر ہے۔ اور اگر وہ یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ کے نازل کردہ دین کے مطابق قانون سازی واجب ہے اور اس بات کا اس کو پورا علم ہو اور وہ یہ بھی جانتا ہو کہ خلاف ورزی کی صورت میں وہ سزا کا مستحق ہو گا مگر اس کے باوجود وہ اس حکم کی خلاف ورزی کرے تو وہ گنہگار ہے اور اسے کافر مجازی طور پر کہا جائے گا، یا اس کے کفر کو کفر اصغر کہا جائے گا۔

اور اگر وہ اس مسئلہ میں جاہل ہو اور اپنی ممکنہ حد تک کوشش (اجتہاد) اور محنت کے باوجود اس سلسلہ میں حق کو پہچان نہ پائے بلکہ غلطی کر بیٹھے تو وہ خطا کار ہے، اور اس کی خطا قابل معافی ہے اور اسے اپنے اجتہاد کا ایک اجر بھی ملے گا۔

شیخ طحاویؒ نے یہ بات کہ ”ہم یہ نہیں کہتے کہ ایمان کے ساتھ گنہگار کو اس کا گناہ کوئی نقصان نہیں دے گا“، مرحلہ فرقہ کی مخالفت و تردید میں کہی ہے۔ اس طرح کے شبہات صدر اول میں بھی بعض لوگوں کو پیش آئے ہیں۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ نے اس بات پر اتفاق کر لیا تھا کہ اگر ایسے لوگ تو بہ نہیں کریں گے تو وہ انہیں قتل کر دیں گے۔ قدامہ بن عبد اللہ اور کچھ اور لوگوں نے شراب کی حرمت کے بعد شراب پی اور قرآن مجید کی اس

آیت کی تاویل کرتے ہوئے ایسا کیا جس میں ہے:

﴿لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا إِذَا مَا اتَّقَوْا وَآمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾ [سورة المائدة: ۹۳]

”ان لوگوں پر جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے، اس میں کوئی گناہ نہیں جو کچھ وہ کھائیں، بشرطیکہ وہ تقویٰ اختیار کریں، ایمان لائیں اور نیک عمل کریں۔“

جب حضرت عمرؓ کے علم میں یہ بات آئی تو انہوں نے اور حضرت علیؓ اور باقی تمام صحابہ نے بھی اس بات پر اتفاق کیا کہ اگر یہ لوگ شراب کی حرمت کا اعتراف کر لیں تو انہیں کوڑے لگائیں جائیں گے (جو شراب پینے کی سزا ہے) اور اگر ان کا اصرار اسی بات پر ہے کہ شراب حلال ہے تو پھر انہیں قتل کر دیا جائے گا۔ حضرت عمرؓ نے قدمہ سے کہا کہ تم نے غلطی کر کے اپنے لیے گھڑا کھود لیا ہے، بشرطیکہ تم اللہ سے ڈر جاؤ، ایمان رکھو، نیک عمل کرو اور شراب نہ پیو۔

دراصل اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ جب جنگ احد کے بعد اللہ تعالیٰ نے شراب حرام قرار دی تو بعض صحابہ نے کہا کہ ہمارے جو ساتھی شراب کی حرمت سے پہلے شراب پیتے فوت ہوئے ہیں، ان کا کیا بنے گا؟ تو یہ آیت نازل ہوئی اور اس میں بتا دیا گیا کہ حرمت سے پہلے جس کسی نے شراب پی تھی، اس پر کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ وہ مومن ہو، متقی اور نیک صالح ہو۔

”ہم نیک مومن لوگوں کے بارے میں امید رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں معاف کر دے گا اور اپنی رحمت سے انہیں جنت میں داخل کرے گا اور ہم ان کے بارے میں بے خوف بھی نہیں اور نہ ہی ان کے لیے جنت کی گواہی دیتے ہیں (یعنی دونوں حالتوں کے درمیان رائے رکھتے ہیں) اور گنہگار مومنوں کے لیے بخشش کی دعا مانگتے ہیں اور ان کے بارے میں ڈرتے بھی ہیں مگر انہیں ناامید اور مایوس قرار نہیں دیتے۔

ناامیدی اور بے خوفی دونوں چیزیں ملت اسلام سے خارج کرنے والی ہیں اور اہل قبلہ کے لیے حق کا راستہ ان دونوں کے درمیان ہے۔ [مطلب یہ کہ اللہ کی رحمت کو دیکھتے ہوئے اس کی پکڑ سے بالکل لاپرواہ ہونا یا اس کے عذاب کو دیکھتے ہوئے اس کی رحمت سے بالکل ناامید ہونا دونوں حالتیں خطرناک ہیں]

آدمی ایمان سے خارج صرف اسی وقت ہوتا ہے جب وہ اس چیز کا انکار کرے جس کے اقرار کے ساتھ وہ اسلام میں داخل ہوا تھا۔ [یہاں شیخ نے خوارج اور معتزلہ کا روکیا ہے جو کہتے ہیں کہ کبیرہ گناہ کے ارتکاب

کے ساتھ آدمی دائرہ اسلام (ایمان) سے خارج ہو جاتا ہے (مترجم) [اور ایمان نام ہے زبان سے اقرار کرنے اور دل سے تصدیق کرنے کا۔ اور ہر وہ چیز جو شریعت کی حیثیت سے یا شریعت کی وضاحت کی حیثیت سے نبی کریم ﷺ سے صحیح ثابت ہے، وہ حق ہے۔ اور ایمان ایک وحدت ہے اور تمام مومن ایمان کی اصل کے لحاظ سے برابر ہیں، البتہ ان میں فضیلت کے لحاظ سے درجہ بندی خشیت اللہ، تقویٰ، خواہش نفس پر کنٹرول اور افضل چیزوں کے اہتمام کی بنیاد پر پائی جاتی ہے۔]

ایمان کیا ہے؟

لوگوں کا اس مسئلہ میں کافی اختلاف ہے کہ ایمان سے کیا مراد ہے۔ امام مالک، شافعی، احمد، اوزاعی، اسحاق بن راہویہ اور تمام محدثین اور اہل مدینہ، اہل ظاہر اور متکلمین کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ ایمان نام ہے دل سے تصدیق کرنے، زبان سے اقرار کرنے اور ارکان پر عمل کرنے کا۔ ہمارے اصحاب میں سے اکثر لوگوں کی رائے یہی ہے جسے امام طحاوی نے ذکر کیا ہے کہ زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق کا نام ایمان ہے۔ اور ان اصحاب میں سے بعض کی رائے یہ ہے کہ زبان سے اقرار رکن زائد ہے، رکن اصلی نہیں ہے۔ ابو منصور ماتریدی بھی یہی کہتے ہیں اور امام ابو حنیفہؒ سے بھی یہی مروی ہے۔ کرامیہ فرقے کا کہنا ہے کہ ایمان صرف زبان سے اقرار کرنے کا نام ہے، پس ان کے نزدیک منافق کامل الایمان مومنوں کی طرح ہیں، البتہ وہ کہتے ہیں کہ منافق اس وعید کے مستحق بھی ہیں جو اللہ نے ان سے کی ہے۔ ظاہر ہے کرامیہ کی رائے صریح طور پر غلط ہے۔

جہم بن صفوان اور ابو الحسن صالحی جو قدریہ کے رؤسائیں سے ہیں، کا کہنا ہے کہ ایمان دل کی معرفت کا نام ہے۔ حالانکہ یہ بات کرامیہ کی رائے سے بھی زیادہ فاسد ہے۔ اس رائے کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ فرعون اور اس کی قوم کے لوگ بھی مومن بن جاتے ہیں کیونکہ انہوں نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کی سچائی کو (دل سے) جان لیا تھا مگر (زبان سے) ان پر ایمان نہیں لائے تھے۔..... اسی طرح اہل کتاب بھی حضرت محمد ﷺ کا نبی ہونا اسی طرح پہچانتے تھے جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے تھے مگر وہ آپ ﷺ پر ایمان نہیں لائے..... بلکہ جہمیہ کے نزدیک تو ابلیس بھی کامل الایمان مومن ہونا چاہیے کیونکہ وہ اپنے رب کی معرفت رکھتا تھا، رب سے جاہل نہیں تھا۔.....

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ایمان یا تو دل کی معرفت، زبان کے اقرار اور اعضاء کے اعمال (تینوں چیزوں) کا

مجموعہ ہے جیسا کہ پیچھے گزرا کہ یہ جمہور سلف کی رائے ہے جن میں ائمہ ثلاثہ وغیرہ شامل ہیں۔ یا ایمان زبانی اقرار اور دلی معرفت کا نام ہے، اور اس کی تعریف میں اعمال شامل نہیں ہیں جیسا کہ طحاوی نے امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب کے حوالے سے اسے ذکر کیا ہے۔ یا پھر ایمان صرف زبانی اقرار کا نام ہے جیسا کہ کرامیہ فرقے کے حوالے سے بیان ہوا ہے۔ یا پھر صرف قلبی معرفت کا نام ہے جیسا کہ جنم بن صفوان کی رائے ہے۔ یا صرف قلبی تصدیق کا نام ہے جیسا کہ ابو منصور ماتریدی کا کہنا ہے اور کرامیہ اور جنم کی رائے بالکل غلط ہے۔

ایمان کی تعریف کے حوالے سے اہل سنت میں امام ابو حنیفہؒ اور دیگر ائمہ میں جو اختلاف پایا جاتا ہے، یہ صرف لفظی و صورتی نوعیت کا ہے جس سے عقیدہ میں خرابی لازم نہیں آتی۔ اور وہ اختلاف یہ ہے کہ اعمال کا تعلق ایمان کے ساتھ کیا اس طرح ہے کہ یہ قلبی ایمان کا لازمہ ہیں یا یہ ایمان کا جز ہیں؟۔ جہاں تک کبیرہ گناہ کے مرتب کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں (امام ابو حنیفہؒ اور دیگر علماء اہل سنت) سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ایسا شخص ایمان سے خارج نہیں ہوتا بلکہ وہ اللہ کی مشیت میں ہے، اللہ چاہے تو اسے (اس کے گناہ کی) سزا دے اور چاہے تو معاف کر دے۔

جن لوگوں نے تارک نماز کو کافر قرار دیا ہے، انہوں نے اس سلسلہ میں اور دلائل کو بھی ساتھ ملایا ہے (محض ایمان اور عمل والی بحث کی روشنی میں یہ رائے نہیں دی) ورنہ لازم آتا کہ زانی، شرابی، چور ڈاکو سبھی (ان گناہوں کی وجہ سے) ایمان سے (کلی طور پر) خارج قرار دیئے جاتے، اس لیے کہ نبی کریم ﷺ نے (مختلف احادیث میں) ان لوگوں سے ایمان کی نفی کی ہے، مگر اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ (نبی کریم ﷺ نے) اس نفی سے کلی طور پر ایمان کی نفی مراد نہیں لی۔

اہل سنت کا اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں سے قول اور عمل دونوں چیزوں کا مطالبہ کیا ہے، قول سے میری مراد دل کی تصدیق اور زبان کا اقرار دونوں چیزیں ہیں کیونکہ جب (اہل علم کے ہاں) یہ کہا جاتا ہے کہ ایمان قول اور عمل کا نام ہے تو اس میں قول سے مراد تصدیق قلبی اور اقرار لسانی دونوں چیزیں ہوتی ہیں۔ لیکن بندوں سے یہ جو دو چیزوں کا مطالبہ کیا گیا ہے، کیا ایمان کا لفظ ان دونوں کو شامل ہوتا ہے یا صرف قول (تصدیق و اقرار) کو شامل ہوتا ہے اور عمل اس سے خارج ہوتا ہے خاص کر جب ایمان کا لفظ اکیلا بولا جائے، اور اگر ایمان کا لفظ بول کر دونوں چیزیں مراد لی جائیں تو کیا اس وقت

(عمل پر) ایمان کا اطلاق مجازی ہوتا ہے؟، یہی بات (اہل سنت میں) محل اختلاف ہے۔

اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر ایک شخص دل سے تصدیق کرتا ہو، زبان سے اقرار بھی کرتا ہو مگر اعضاء سے (دین پر) عمل نہ کرے تو وہ اللہ اور رسول کا نافرمان ہے، (عذاب کی) وعید کا مستحق ہے۔۔۔۔۔

شیخ طحاویؒ بیان فرماتے ہیں کہ ”کلمہ گو سب ایمان کی اصل کے لحاظ سے ایک جیسے ہیں“، اس کا مطلب یہ ہے کہ شیخ کے نزدیک اہل ایمان کی ایمان میں برابری ایمان کی اصل کے لحاظ سے ہے نہ کہ ہر لحاظ سے۔ کیونکہ اہل ایمان کے دلوں میں لا الہ الا اللہ کے نور کے مختلف درجات ہوتے ہیں جنہیں اللہ کے علاوہ کوئی شمار نہیں کر سکتا۔ لوگوں میں بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے دلوں میں کلمہ کا نور سورج کی طرح ہوتا ہے اور بعض ایسے بھی ہیں جن کے دلوں میں اس کا نور روشن ستارے کی طرح ہوتا ہے، بعض کے دلوں میں یہ بہت بڑی مشعل کی روشنی کی طرح، بعض کے نزدیک زیادہ چمکتے سورج کی طرح اور بعض کے نزدیک کم چمکتے سورج کی طرح ہوتا ہے اور قیامت کے روز یہی نور اہل ایمان کے سامنے اپنی مقدار کے حساب سے ظاہر ہوگا۔۔۔۔۔

جس شخص کو اس بات کی سمجھ آ جائے، اسے ان احادیث کی بھی سمجھ آ جاتی ہے جن میں نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ ”اللہ تعالیٰ نے (جہنم کی) آگ کو ہر اس شخص کے لیے حرام قرار دے دیا ہے، یا وہ شخص جہنم میں نہیں جائے گا جس نے اللہ کی رضا کی خاطر لا الہ الا اللہ کا اقرار کیا“۔

اس قسم کی احادیث کا معنی و مفہوم سمجھنا بہت سے لوگوں کے لیے مشکل ہو گیا حتیٰ کہ بعض نے تو یہ گمان کیا کہ ان احادیث کا حکم منسوخ ہو چکا ہے، بعض نے یہ سمجھا کہ ان کا تعلق اوامر و نواہی (شریعت اسلامیہ) سے پہلے کے وقت سے ہے۔ بعض نے کہا کہ کلمے کا اقرار کرنے والا ہمیشہ کے لیے آگ میں نہیں جائے گا، وغیرہ وغیرہ۔

دین اسلام کے قطعی احکام کی بنیاد پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے قطعاً یہ نہیں کہا کہ محض زبان سے کلمہ پڑھ لینے والا جنت پالے گا۔ اگر یہی بات ہوتی تو پھر زبان سے کلمہ کا اقرار کرنے والے منافقین جہنم کے سب سے نچلے گڑھے میں جگہ نہ پاتے۔ پس اس بات میں کوئی شک نہیں کہ کسی عمل کے اجر و ثواب کا کم یا زیادہ ہونا اس کی ظاہری شکل و صورت اور تعداد کی بنیاد پر نہیں ہوتا بلکہ اس بنیاد پر ہوتا ہے کہ اس کے لیے دل میں کتنی جگہ تھی (یعنی نیت اور خلوص کتنا تھا)۔۔۔۔۔

جب ایمان ایک اصل (جز) کی طرح ہے تو اس کی آگے کئی شاخیں ہیں اور ہر شاخ کو (شریعت میں) ایمان کا نام دیا گیا ہے، لہذا نماز ایمان سے ہے، اسی طرح زکاۃ، روزہ، حج بھی ایمان سے ہیں۔ اسی طرح

باطنی اعمال مثلاً حیا، توکل، خشیت الہی اور انابت الہی یہ بھی ایمان سے ہیں۔ حتیٰ کہ راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹانے تک (ایمان کی) یہ شاخیں جا کر ختم ہوتی ہیں اور اس عمل کو بھی ایمان کی شاخ قرار دیا گیا ہے۔

ان شاخوں میں سے بعض وہ ہیں جن کے بارے میں اہل علم کا اجماع ہے کہ ان کی غیر موجودگی میں ایمان بھی ختم ہو جاتا ہے جیسے شہادتین (کلمہ شہادت) کی شاخ ہے۔ اور بعض وہ ہیں جن کے بارے میں اجماع ہے کہ ان کی غیر موجودگی میں ایمان ختم نہیں ہوتا جیسے راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹانا ہے۔ اور ان دو انتہاؤں کے درمیان اور بھی کئی شاخیں ہیں جن میں (ایمان اور کلمہ شہادت کی طرف قریب یا دور کرنے کے لحاظ سے) درجہ بندی پائی جاتی ہے، ان میں سے بعض وہ شاخیں ہیں جو کلمہ شہادت کی طرف قریب کرتی ہیں اور بعض وہ ہیں جو راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹانے والی شاخ کی طرف قریب کرتی ہیں۔ جس طرح ایمان کی شاخوں کو بھی ایمان ہی کہا جاتا ہے، اسی طرح کفر کی شاخوں کو بھی کفر ہی کہا جائے گا، مثلاً اللہ کے نازل کردہ دین کے مطابق قانون سازی ایمان ہے اور اس کی مخالفت میں قانون سازی کفر ہے۔

نبی کریم ﷺ کی حدیث ہے کہ ”تم میں سے جو شخص برائی دیکھے، اسے اپنے ہاتھ سے ختم کرے، اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو زبان سے اس برائی کی مخالفت کرے اور اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو پھر دل سے اسے برا جانے“۔ یہ مسلم کی حدیث ہے جب کہ ایک سند میں یہ اضافہ بھی ہے کہ ”اس (دل میں برانہ جانے) کے بعد برائی کے دانے برابر بھی ایمان باقی نہیں بچتا“۔ [یعنی جو شخص دل سے بھی برائی کو برائ نہیں جانتا، اس کے دل میں ایمان باقی نہیں رہتا۔ (مترجم)]

ترمذی کی روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جس شخص نے اللہ کے لیے محبت کی، اللہ کے لیے نفرت رکھی، اللہ کے لیے (کسی کو کچھ) دیا اور اللہ کے لیے کچھ روکا تو اس نے ایمان مکمل کر لیا“۔

ایمان میں کمی بیشی کا مسئلہ

ایمان کم اور زیادہ ہوتا رہتا ہے، اس بات کے دلائل قرآن و سنت اور آثار سلف میں بہت زیادہ ملتے ہیں۔ چند قرآنی دلائل حسب ذیل ہیں:

(۱) ﴿وَإِذَا تَلَّيْتُمْ عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا﴾ [سورة الانفال: ۲۰]

”اور جب انہیں اللہ کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو یہ آیتیں ان کے ایمان میں اضافہ کر دیتی ہیں“۔

(۲) ﴿وَيَزِيدُ اللَّهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى﴾ [سورة مريم: ۷۶]

”اور ہدایت یافتہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ ہدایت میں بڑھا دیتا ہے۔“

(۳) ﴿وَيَزِدَادَ الَّذِينَ آمَنُوا إِيمَانًا﴾ [سورة المدثر: ۳۱]

”اور ایمان والے لوگوں کو اللہ تعالیٰ ایمان میں بڑھا دیتا ہے۔“

(۴) ﴿هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ لِيَزِدُوا إِيمَانًا مَعَ إِيمَانِهِمْ﴾

”وہی اللہ ہے جس نے مسلمانوں کے دلوں میں سکون (اور اطمینان) ڈال دیا تاکہ اپنے ایمان کے ساتھ ہی ساتھ اور بھی ایمان میں بڑھ جائیں۔“ [سورة الفتح: ۱۳]

(۵) ﴿الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدِ جَمَعُوا لَكُمْ فَاعْشَوْهُمْ فَرَأَوْهُمْ فَأَمَانًا وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ﴾ [سورة آل عمران: ۱۷۳]

”وہ (ایمان والے) لوگ کہ جب ان سے لوگوں نے کہا کہ کافروں نے تمہارے مقابلہ پر لشکر جمع کر لئے ہیں، تم ان سے خوف کھاؤ تو اس بات نے انہیں ایمان میں اور بڑھا دیا اور وہ کہنے لگے کہ ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے۔“

ایمان اور اسلام کا فرق

..... اسلام سے کیا مراد ہے؟ اس سلسلہ میں لوگوں کے تین اقوال ہیں۔ ایک گروہ کا قول یہ ہے کہ کلمہ شہادت کو اسلام کہتے ہیں۔ دوسرے گروہ کی رائے اور قول یہ ہے کہ حدیث جبریل میں جب نبی کریم ﷺ سے اسلام اور ایمان کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے دین کے ظاہری اعمال یعنی شہادتین کا اقرار، نماز، روزہ، زکاۃ، حج کے اہتمام [کو اسلام کہا،] لہذا یہی اسلام ہے۔ تیسرے گروہ کی رائے یہ ہے کہ ایمان اور اسلام مترادف و ہم معنی ہیں۔.....

ایمان کے ساتھ ان شاء اللہ کہنا

کیا انسان اس طرح کہہ سکتا ہے کہ ”میں مومن ہوں ان شاء اللہ“۔ اس مسئلہ میں اختلاف ہے اور تین مختلف آراء ہیں۔ ایک ان لوگوں کی رائے ہے جو ان شاء اللہ کہنے کو فرض قرار دیتے ہیں اور ایک ان کی رائے ہے جو ان شاء اللہ کہنے کو حرام کہتے ہیں اور تیسری رائے ان لوگوں کی ہے جو بعض حالات میں ان شاء اللہ کہنے کو جائز کہتے ہیں اور بعض حالات میں ناجائز کہتے ہیں اور یہی رائے سب سے صحیح ہے۔.....

اگر کوئی شخص اپنے ایمان کی اصل اور بنیاد میں شک کرتے ہوئے کہے کہ ”میں مومن ہوں، ان شاء اللہ، تو

پھر اس طرح کہنا درست نہیں [اس لیے کہ مومن کو اپنے ایمان میں شک نہیں ہونا چاہیے] اور اگر کوئی مومن یہ سمجھے کہ میں بھی ان مومنوں کی طرح ہوں جن کی قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے خود تعریف کی ہے تو پھر ایسی صورت میں اسے ان شاء اللہ بھی کہنا چاہیے۔

”تمام مومن اللہ کے ولی (دوست) ہیں اور ان میں سے اللہ کے سب سے قریب وہ ہے جو سب سے زیادہ اطاعت گزار اور سب سے زیادہ قرآنی احکام پر عمل کرنے والا ہے۔

ایمان میں یہ چیزیں شامل ہیں: اللہ پر ایمان، اللہ کے فرشتوں پر ایمان، اللہ کی کتابوں پر ایمان، اللہ کے رسولوں پر ایمان، آخرت کے دن پر ایمان، تقدیر کے اچھا اور برا، سب اللہ کی طرف سے ہونے پر ایمان۔ ہم ان سب چیزوں پر ایمان رکھتے ہیں اور رسولوں میں تفریق نہیں کرتے بلکہ سب رسولوں اور نبیوں کی اس سلسلہ میں تصدیق کرتے ہیں جو وہ اللہ کی طرف سے لے کر آئے تھے (کہ وہ حق تھا)۔

امت محمدیہ میں سے وہ لوگ جو کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں، ان کے بارے میں ہم یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اگر وہ توحید پر مرے تو پھر وہ (شرک کے علاوہ دوسرے کبار کی وجہ سے) ہمیشہ کے لیے جہنم میں نہیں جائیں گے، خواہ ان کبیرہ گناہوں پر انہوں نے توبہ بھی نہ کی ہو۔ بس یہ ضروری ہے کہ وہ ایمان باللہ (توحید) کی حالت میں اللہ سے ملیں۔ ان لوگوں کا مسئلہ اللہ کی مشیت اور حکم کے ساتھ مربوط ہے، اگر اللہ چاہے تو اپنے فضل سے انہیں معاف کر دے جیسا کہ اللہ نے اپنی کتاب میں کہا ہے: ﴿وَيَسْغُفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَن يَشَاءُ﴾ النساء: ۴۸، ۱۱۶۔ ”اور وہ شرک کے علاوہ جو گناہ چاہے معاف کر دیتا ہے“۔ اور اگر اللہ چاہے تو انہیں اپنے عدل کے ساتھ آگ میں مزادے، پھر اپنی رحمت اور نیک مسلمانوں کی ان کے حق میں شفاعت کے ساتھ انہیں جہنم سے نکال لے اور اپنی جنت میں داخل کر دے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے موحد بندوں کو اپنا دوست قرار دیا ہے اور وہ دنیا اور آخرت میں اپنے ان دوستوں کے ساتھ اس طرح کا سلوک نہیں کرے گا جس طرح کا سلوک وہ اپنے ان منکروں کے ساتھ کرتا ہے اور کرے گا، جو اس کی ہدایت کے راستے سے گمراہ رہے اور اس کی دوستی کا شرف حاصل کرنے سے محروم رہے۔

اے اللہ! اسلام اور اہل اسلام کے ولی! ہمیں مرتے دم تک اسلام پر ثابت قدم رکھ، آمین!
کوئی شخص خواہ نیک ہو یا بد، اگر وہ ہمارا ہم قبلہ ہے تو ہم اس کے پیچھے نماز پڑھنے کو بھی جائز قرار دیتے ہیں اور اس کے لیے اس کی موت کے بعد نماز جنازہ پڑھنے کو بھی درست سمجھتے ہیں۔“

اتحاد امت اور اہل بدعت و اہل فسق کے ساتھ عبادات و معاملات میں تعامل کی حدود

اس لیے کہ حدیث میں ہے: ”ہر نیک اور بد کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرو“۔ اگرچہ یہ روایت کمزور ہے..... اسی طرح کی دوسری روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”تم پر واجب ہے کہ تم ہر مسلمان کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرو، خواہ وہ نیک ہو یا بد، اور خواہ وہ کبار کا مرتکب ہی کیوں نہ ہو۔ اور تم پر یہ بھی واجب ہے کہ تم ہر امیر (حاکم وقت) کی قیادت میں جہاد کرو، خواہ وہ نیک ہو یا بد اور خواہ وہ کبار کا مرتکب ہو“۔ اسی طرح صحیح بخاری میں حدیث ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے یوسف ثقفی کے پیچھے نمازیں پڑھتے تھے۔ اسی طرح حضرت انسؓ بھی حجاج کے پیچھے نماز پڑھتے تھے، حالانکہ حجاج فاسق اور ظالم شخص تھا۔ اسی طرح صحیح بخاری میں حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تمہیں وہ (مختلف طرح کے) لوگ نماز پڑھائیں گے، اگر وہ درست ہوئے تو تمہیں بھی ثواب اور انہیں بھی۔ اور اگر انہوں نے غلطی کی تو تمہیں (تو اپنی نماز کا) ثواب ملے گا مگر انہیں گناہ ہوگا“۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جو شخص کلمہ پڑھتا ہے، اس کے پیچھے نماز پڑھا کرو اور جو کلمہ پڑھتا ہے، اس کی نماز جنازہ بھی پڑھا کرو“۔ اسے دارقطنی نے مختلف سندوں سے روایت کیا ہے اور ضعیف قرار دیا ہے۔

اللہ ہم سب پر رحم کرے، یاد رکھیے کہ علماء اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جس شخص کی بدعت اور فسق معلوم نہ ہو، اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے اور اس کے پیچھے نماز پڑھنے کے لیے ایسی کوئی شرط نہیں کہ مقتدی پہلے یہ معلوم کرے کہ اس امام کا عقیدہ کیا ہے اور نہ ہی مقتدی کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اس امام کے عقیدے کا امتحان لیتا پھرے، مثلاً اس سے پوچھے کہ تمہارا عقیدہ کیا ہے؟ بلکہ اسے ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھ لینی چاہیے جو مستور الحال ہے [یعنی جس مسلمان کا عقیدہ معلوم نہیں]۔

اگر کوئی امام بدعتی ہو اور اپنی بدعت کی طرف لوگوں کو تبلیغ بھی کرتا ہو یا ایسا فاسق ہو جس کا فسق بالکل ظاہر ہو، لیکن اس کے ساتھ اس امام کی حیثیت ’امام راتب‘ کی ہو کہ اس کے پیچھے نماز پڑھنا مجبوری ہو مثلاً جمعہ و عیدین کا امام ہو یا حج کا امام ہو یا اسی طرح کی کوئی اور مجبوری والی صورت ہو تو ایسے حالات میں اس کے پیچھے نماز پڑھی جائے گی اور سلف و خلف کی اکثریت کی رائے اس مسئلہ میں یہی ہے۔ اور یہ اکثریت یہ بھی

کہتی ہے کہ ایسی صورت میں اگر کوئی شخص فاسق یا بدعتی امام کے پیچھے جمعہ اور جماعت کی نماز چھوڑے گا تو وہ گنہگار ہوگا۔ اور ان کے پیچھے جو نماز پڑھی جائے گی، اس کے بارے میں صحیح رائے یہ ہے کہ اس نماز کو دہرایا نہیں جائے گا کیونکہ صحابہ بھی فاسق اماموں کے پیچھے جمعہ اور جماعت کی نمازیں پڑھتے رہے ہیں مگر وہ نمازوں کو دہراتے نہیں تھے، جیسا کہ عبد اللہ بن عمرؓ اور حضرت انسؓ کے حوالے سے بیان ہوا ہے کہ وہ حجاج کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔ اسی طرح حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ اور کچھ اور صحابہ و لید بن عقبہ بن ابی معیط کے پیچھے نماز پڑھتے تھے حالانکہ ولید شراب پیتا تھا اور ایک مرتبہ تو اس نے (غالباً نشہ کی حالت میں) نماز فجر کی چار رکعت پڑھا دیں اور پھر کہنے لگا: کیا اور رکعتیں پڑھاؤں؟! تو ابن مسعودؓ نے جواب دیا کہ آج تو پہلے ہی آپ کے ساتھ ہم نے زیادہ رکعتیں پڑھ لی ہیں!!

صحیح بخاری میں حدیث ہے کہ حضرت عثمانؓ کا جب بلوائیوں نے محاصرہ کر لیا تو محاصرین ہی میں سے کوئی اور لوگوں کو نمازیں پڑھانے لگا۔ کسی نے حضرت عثمانؓ سے کہا کہ آپ سب کے امام (خليفة) ہیں جب کہ یہ شخص جو لوگوں کو نمازیں پڑھا رہا ہے، یہ تو فتنے کا امام ہے؟ تو حضرت عثمانؓ نے کہا: اے بھتیجے! لوگ جو کچھ کرتے ہیں ان میں نماز ایک اچھا عمل ہے، لہذا جب لوگ اچھا کام کریں تو ان کے ساتھ اچھے کام میں شرکت کرو اور جب لوگ برا کام کریں تو ان کے برے کام سے دور رہو۔

ایک فاسق اور بدعتی شخص کی نماز بذات خود اُس کے لیے صحیح ہے، اس لیے اگر اس کے پیچھے کوئی اور نماز پڑھتا ہے تو اس (مقتدی) کی نماز بھی باطل قرار نہیں دی جاسکتی۔ لیکن جو اہل علم ایسے شخص کے پیچھے نماز کو مکروہ سمجھتے ہیں، وہ اسے مکروہ اور ناپسندیدہ ہی کہتے ہیں، اس بنیاد پر کہ نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا واجب ہے۔

اسی سے ملتا جلتا ایک مسئلہ یہ ہے کہ جو شخص اعلانیہ بدعت اور فسق و فجور کا ارتکاب کرتا ہو، اسے مسلمانوں کے لیے امام نہیں بنانا چاہیے کیونکہ وہ تو تعزیر کا مستحق ہے جب تک کہ توبہ نہ کر لے اور اگر اس سے ترک تعلق کر لیا جائے کہ اس طرح اس کا توبہ کرنا ممکن ہو تو ایسا کرنا مستحسن ہے۔ اور اگر کچھ لوگ اس کے پیچھے نماز پڑھنا چھوڑ دیں اور کسی اور کے پیچھے نماز پڑھنا شروع کر دیں، اس بنیاد پر کہ اس طرح یا تو بدعتی و فاسق امام کی بدعت و فسق پر اثر پڑے گا اور وہ یا تو توبہ پر آمادہ ہو جائے گا یا پھر امامت چھوڑ دے گا، یا لوگ اس جیسے گناہ سے باز آجائیں گے تو ایسی کسی شرعی مصلحت کے پیش نظر اس کے پیچھے نماز چھوڑی جاسکتی ہے بشرطیکہ

نماز چھوڑنے والوں کا جمعہ اور جماعت ضائع نہ ہوں (بلکہ کوئی مناسب متبادل انتظام موجود ہو)۔ اور اگر ایک طرف اس کے پیچھے نماز چھوڑ دی جائے اور دوسری طرف نماز باجماعت اور جمعہ بھی ضائع ہونے لگے تو پھر نماز چھوڑنے والا خود بدعتی اور (اس مسئلہ میں) صحابہ کی مخالفت کرنے والا ہے۔

اسی طرح اگر ایسے (بدعتی اور فاسق و فاجر) شخص کو حکام وقت کی طرف سے امام مقرر کیا گیا ہو اور اس کے پیچھے نماز چھوڑنے میں کوئی شرعی مصلحت بھی نہ ہو تو پھر اس کے پیچھے نماز چھوڑنا درست نہیں بلکہ اس کے پیچھے نماز پڑھنا ہی افضل ہے۔ اور اگر انسان کے لیے یہ ممکن ہو کہ وہ بدعت ظاہر کرنے والے کو امامت سے روک سکتا ہے تو پھر اسے روکنا واجب ہے لیکن اگر ایسے شخص کو کسی اور کی طرف سے امامت کی ذمہ داری پر فائز کیا گیا ہو اور اسے اس سے ہٹانا ممکن نہ ہو یا اس کے ہٹانے میں ایسا شر پیدا ہوتا ہو جو اس کی بدعت و منکر سے بڑا ہو تو پھر ایسی صورت میں تھوڑے فساد کو ختم کرنے کے لیے زیادہ فساد پیدا کر دینا یا چھوٹی مصیبت ختم کرنے کے لیے بڑی مصیبت کھڑی کر دینا بھی درست نہیں ہے۔ کیونکہ شریعت تو اسی لیے ہے کہ خیر و بھلائی کو حاصل کیا جائے اور اس کی تکمیل کی جائے اور مفساد کو یا تو ختم کیا جائے یا (اگر یہ ممکن نہ ہو تو) پھر اسے ممکنہ حد تک کم سے کم کیا جائے۔ لہذا جمعہ اور جماعتیں ضائع کر بیٹھنے میں اس چیز کی نسبت زیادہ بڑا فساد ہے کہ فاجر و فاسق کے پیچھے نہیں پڑھا جاتا رہے، بالخصوص ایسے حالات میں کہ جب فاجر و فاسق امام کے پیچھے نمازیں پڑھنا چھوڑ دینے کے باوجود اس سے خلاصی بھی نہ ہو رہی ہو۔

اور اگر ایسے حالات میں جمعہ اور جماعت کی نماز کسی نیک شخص کے پیچھے پڑھنا بھی ممکن ہو تو ایسی صورت میں فاسق کی بجائے نیک کے پیچھے نماز پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص ایسے حالات میں گنجائش کے باوجود فاسق و فاجر کے پیچھے نماز پڑھتا ہے تو کیا یہ درست ہے؟ یہ مسئلہ اجتہادی ہے۔ بعض اہل علم کہتے ہیں کہ ایسا شخص نماز دہرائے اور بعض اہل علم کی رائے یہ ہے کہ نماز دہرانے کی ضرورت نہیں۔.....

فاسق و بدعتی کی نماز جنازہ

شیخ طحاویؒ نے جو یہ کہا ہے کہ ”(کوئی شخص خواہ نیک ہو یا بد، اگر وہ ہمارا ہم قبلہ ہے تو ہم اس کے پیچھے نماز پڑھنے کو بھی جائز قرار دیتے ہیں اور اس کی موت کے بعد) اس کی نماز جنازہ پڑھنے کو بھی درست سمجھتے ہیں۔“

اس سے شیخ کی مراد یہ ہے کہ کوئی شخص خواہ نیک ہو یا بد، اس کی موت کے بعد اس کی نماز جنازہ پڑھنا ہم درست سمجھتے ہیں۔ اگرچہ اس عموم سے باغی، ڈاکو (راہزن) اور خودکشی کرنے والے مستثنیٰ ہیں، (اور ان کی نماز جنازہ میں اہل علم کا اختلاف بھی ہے)، اسی طرح شہید کا معاملہ بھی الگ ہے.....

جو لوگ بظاہر مسلمان دکھائی دیتے ہیں، ان میں دو طرح کے لوگ ہیں: ایک تو مومن ہوتے ہیں اور دوسرے منافق ہوتے ہیں۔ جس شخص کا نفاق بالکل ظاہر ہو جائے اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی، اور جس کا نفاق معلوم نہ ہو، اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ حضرت عمرؓ اس شخص کی نماز جنازہ نہیں پڑھتے تھے جس کی نماز جنازہ حضرت حذیفہؓ نہیں پڑھتے تھے، اس لیے کہ حضرت حذیفہؓ نے جنگ تبوک میں منافقین کو پہچان لیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو منافقین کی نماز جنازہ پڑھنے اور ان کے لیے بخشش کی دعا کرنے سے صاف منع کیا ہے اور اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ یہ لوگ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کرتے ہیں۔ پس جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھتا ہے، اس کی نماز جنازہ سے منع نہیں کیا گیا، خواہ اس میں عقیدے کی بدعات کا گناہ پایا جائے یا عملی بدعات کا یا اس کے علاوہ کسی اور طرح کا گناہ پایا جائے۔ بلکہ ایسے لوگوں کے لیے تو بخشش کی دعا کرنے کا اللہ نے ایمان والوں کو حکم دیا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاعْلَمُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاسْتَغْفِرُ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ﴾ [سورۃ محمد: ۱۹]

”جان لیجیے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور اپنے اور ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کے گناہوں کے لیے اللہ سے استغفار کیجیے۔“

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں عقیدہ توحید اپنانے کا حکم دیا ہے اور اس بات کا حکم دیا ہے کہ انسان اپنے لیے اور مومن مردوں اور مومنہ عورتوں کے لیے بخشش کی دعا کرے۔ توحید تو دین کی اصل اور بنیاد ہے جب کہ استغفار دین کی تکمیل کرنے والی چیز ہے۔ لہذا ایمان والوں کے لیے مغفرت، رحمت اور خیر و بھلائی کی دعا کرنا یا تو واجب کے درجہ میں ہے یا پھر مستحب کے درجہ میں۔ اور اس دعا کی دو قسمیں ہیں: ایک عام اور دوسری خاص۔ عام تو بالکل واضح قسم ہے جیسا کہ گزشتہ آیت میں اس کا ذکر ہے اور دعا کی خاص قسم وہ ہے جس میں (سے ایک) میت کے لیے نماز جنازہ پڑھنا بھی ہے۔ جب کوئی مسلمان فوت ہو جائے تو دوسرے مسلمانوں کو حکم ہے کہ وہ اس کی نماز جنازہ پڑھیں اور اس نماز جنازہ میں وہ اس بات کے پابند ہیں

کہ مرنے والے کے لیے دعا کریں جیسا کہ ابوداؤد اور ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جب تم میت کی نماز جنازہ پڑھو تو اس کے لیے خلوص دل سے دعا کرو“۔

”ہم کسی مسلمان کے لیے یہ حکم نہیں لگاتے کہ وہ اہل جنت میں سے ہے یا یہ کہ وہ اہل جہنم میں سے ہے۔“

کسی کو یقین طور پر جنتی یا جہنمی کہنا

شیخ طحاویؒ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہم اہل قبلہ میں سے کسی شخص کی تعیین کرتے ہوئے یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ جنتی ہے یا جہنمی ہے، الایہ کہ جن کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے خبر دی ہو کہ وہ جنتی ہے، جیسے عشرہ مبشرہ صحابی ہیں۔ اگرچہ ہم یہ ضرور کہتے ہیں کہ کبیرہ گناہوں کے مرتکب لوگوں میں سے جسے اللہ چاہیں گے جہنم میں داخل کریں گے، پھر شفاعت کرنے والوں کی شفاعت سے انہیں جہنم سے نکال لیں گے، البتہ ہم متعین شخص کے بارے میں سکوت اختیار کرتے ہیں اور یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ جنتی ہے یا وہ جہنمی ہے، الایہ کہ ہمیں اس کا واضح علم ہو اور صاف ظاہر ہے کہ اس بات کا علم ہم سے مخفی ہے اور ہم نہیں جانتے کہ ایک شخص کس عقیدے پر مر رہا ہے لیکن ہم (ظاہری حالت کے اعتبار سے) نیکی کرنے والوں کے بارے میں (جنت کی) امید رکھتے ہیں اور برائی کرنے والوں کے معاملہ میں (سزا سے) ڈرتے ہیں۔

”ہم کسی مسلمان کے بارے میں کفر یا شرک یا نفاق کا حکم اس وقت تک نہیں لگاتے جب تک کہ اس سے اس طرح کی کوئی چیز ظاہر نہ ہو اور جہاں تک کسی کی باطنی و مخفی حالت کا تعلق ہے تو اسے ہم اللہ کے سپرد کرتے ہیں۔ اور ہم امت محمدیہ میں سے کسی شخص کے خلاف تلوار اٹھانا جائز نہیں سمجھتے الایہ کہ اس کے خلاف تلوار اٹھانا واجب ہو جائے۔“

قتل حرام ہے سوائے تین صورتوں کے

جیسا کہ صحیح بخاری میں حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جو مسلمان کلمہ (لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ) پڑھتا ہو، اسے تین حالتوں کے علاوہ قتل کرنا حرام ہے اور وہ تین حالتیں یہ ہیں:

۱۔ شادی شدہ ہونے کے بعد زنا کا ارتکاب کرے (تو حد رجم کے طور پر اسے قتل کیا جائے گا)۔

۲۔ کسی اور کو قتل کرے تو قصاص میں اسے قتل کیا جائے گا۔

۳۔ مسلمانوں کی اجتماعیت سے خروج کرتے ہوئے مرتد ہو جائے (تو قتل کیا جائے گا)۔“

حکمرانوں کے خلاف خروج کا مسئلہ

”ہم اپنے حاکموں اور والیوں کے خلاف خروج (قتال) کو جائز نہیں سمجھتے، خواہ حکام ہم پر ظلم کرنے والے ہی کیوں نہ ہوں اور ہم ان پر بدعا بھی نہیں کرتے اور ان کی اطاعت سے باہر بھی نکلتے بلکہ ہم ان کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت کی طرح ایک فرض سمجھتے ہیں بشرطیکہ وہ ہمیں کسی گناہ کے کام کا حکم نہ دیں اور ہم ان حاکموں کے لیے اصلاح اور عافیت کی دعا کرتے ہیں۔

اور ہم سنت اور مسلمانوں کی اجتماعیت کی پیروی کرتے ہیں اور اس سلسلہ میں علیحدگی، اختلاف اور فرقہ بندی سے اجتناب کرتے ہیں۔

ہم عادل اور امانت دار لوگوں سے محبت رکھتے ہیں اور ظلم اور خیانت کرنے والوں سے بغض رکھتے ہیں۔ جس شخص کا معاملہ (عقیدہ و عمل کسی بھی لحاظ سے) ہمارے لیے مشتبہ ہو جائے تو اس کے بارے میں ہم کہتے ہیں کہ اللہ ہی (اس کا حال) بہتر جانتے ہیں۔“



مصنف کی تحقیقی و اصلاحی مطبوعات

جدید اسلوب اور عام فہم انداز کے ساتھ..... معیاری اور مستند لٹریچر

[1]..... سلسلہ اصلاح عقائد

(۱): اللہ اور انسان..... [عقیدہ توحید و ایمان باللہ کا بیان]

یہ کتاب عقیدہ توحید کے بیان پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں وجود باری تعالیٰ، مذاہب عالم کا تصور الہ اور اسلام کا تصور الہ وغیرہ شامل ہے۔ دوسرے باب میں انسان کی پیدائش، مقصد پیدائش اور نظریہ ارتقاء کا جائزہ وغیرہ شامل ہے۔ تیسرے باب میں اللہ اور انسان کا باہمی تعلق تین پہلوؤں سے واضح کیا گیا ہے یعنی خالق اور مخلوق۔ عابد اور معبود۔ غنی اور محتاج۔ اس کتاب میں عقیدہ توحید قرآن و سنت کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے اور کسی پرکچر نہیں اچھالا گیا۔ کسی کا عقیدہ توحید درست کرنا ہو تو یہ کتاب اسے ضرور پیش کریں۔ یہ آپ کے لیے بہترین صدقہ جاریہ ہوگا۔

(۲): انسان اور رہبر انسانیت..... [عقیدہ رسالت اور اتباع سنت کا بیان]

یہ کتاب عقیدہ رسالت اور اتباع سنت کے بیان پر مشتمل ہے۔ اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ ہم میں سے ہر شخص کا بنیادی طور پر تین طرح کا تعلق ہونا چاہیے: ایک تو یہ کہ ہم آپ پر صدق دل سے ایمان لائیں، دوسرا یہ کہ ہم آپ سے دنیا جہاں کی ہر چیز سے بڑھ کر محبت کریں اور تیسرا یہ کہ ہم ہر ممکن حد تک آپ کی اطاعت کریں۔ اس کتاب میں سنت و رسالت سے متعلقہ تمام اہم مسائل پر قرآن و حدیث کی روشنی میں بحث کی گئی ہے اور مختلف غلط فہمیوں کا ازالہ کرتے ہوئے نہایت عام فہم اسلوب میں حضور نبی کریم ﷺ سے محبت اور آپ کی سنت پر عمل کا جذبہ پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

(۳): انسان اور قرآن..... [قرآن کے ساتھ ایمان و عمل کے تعلق کی مضبوطی کا بیان]

اس کتاب میں یہ بتایا گیا ہے کہ قرآن مجید کے ساتھ ہمارا بنیادی طور پر تین طرح کا تعلق ہے: ایک تو یہ کہ ہم قرآن مجید پر صدق دل سے ایمان لائیں، دوسرا یہ کہ ہم پورے آداب کے ساتھ اس کی تلاوت کو روزانہ کا معمول بنائیں اور تیسرا یہ کہ ہم ممکنہ استطاعت کی حد تک اس کے احکام پر عمل کریں۔ اس کتاب میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ قرآن مجید کے ساتھ جذباتی وابستگی ہی کافی نہیں جب تک کہ اس کے ساتھ ایمان و عمل کی وابستگی نہ پیدا کی جائے۔

(۴): انسان اور فرشتے [فرشتوں پر ایمان اور انسانوں کے ساتھ انکے تعلقات کا بیان]

اس کتاب میں یہ بتایا گیا ہے کہ انسانوں اور فرشتوں کے تعلق کی نوعیت کیا ہے؟ فرشتوں پر ایمان لانے کا مطلب کیا ہے؟ مشہور فرشتے کون سے ہیں؟ فرشتوں کی ذمہ داریاں کیا ہیں؟ فرشتے انسانوں کے حق میں دعائیں کب کرتے ہیں؟ کن بد بختوں پر فرشتے بد دعائیں کرتے ہیں؟ فرشتے کن انسانوں کی مدد کے لیے اترتے ہیں؟ اور وہ کب اور کیسے مدد کرتے ہیں؟ وغیرہ وغیرہ، اس کے علاوہ اس کتاب میں منکرین ملائکہ کے دلائل کا رد بھی شامل ہے۔

(۵): انسان اور شیطان [شیطان کی حقیقت اور اسکے مکرو فریب سے بچاؤ کا بیان]

اس کتاب میں یہ بتایا گیا ہے کہ شیطان کیا ہے؟ اسے کیوں پیدا کیا گیا؟ انسان کے ساتھ اس کا کیا تعلق ہے؟ ایلیس [یعنی شیطان اکبر] اور عام شیاطین میں کیا فرق ہے اور ان کا آپس میں کیا تعلق ہے؟ کیا شیطان ہر انسان کے ساتھ ہوتا ہے؟ شیطان انسان کو گمراہ کیسے کرتا ہے؟ شیطان کے مکرو فریب سے بچاؤ کی تدابیر کیا ہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔ اس کے علاوہ اس کتاب میں فلسفہ خیر و شر کی تفصیلات اور منکرین شیاطین کے دلائل کا رد بھی شامل ہے۔

(۶): انسان اور جادو جنات [جادو جنات کے توڑ اور روحانی علاج معالجہ کا بیان]

اس کتاب میں جادو جنات کی حقیقت، جادو کرنے کروانے، یکھنے سکھانے اور جادو گروں اور جنات سے مدد حاصل کرنے کی شرعی حیثیت اور جادو، جنات کا توڑ قرآن و سنت اور عملی تجربات کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے۔ نیز مختلف بیماریوں کا روحانی علاج بھی مستند دلائل اور صحیح احادیث کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے۔ اپنے موضوع پر ایک اہم کتاب!

(۷): انسان اور کالے پیلے علوم [عقائد کی خرابی کا باعث بننے والے علوم کا بیان]

اس کتاب میں دست شناسی، چہرہ شناسی، قیافہ شناسی، علم رمل، جعفر، اعداد، فال، لاٹری، کہانت، ہینڈ ٹرم، مسمریزم، وغیرہ جیسے ان تمام علوم کا قرآن و سنت کی روشنی میں تجزیہ کیا گیا ہے جن کے ذریعے غیب دانی کا دعویٰ کیا جاتا ہے اور جو اسلامی عقائد میں خرابی کا ذریعہ بنتے ہیں۔ اردو زبان میں اپنے موضوع پر اولین مستند کتاب.....!

(۸): انسان اور آخرت [موت، قبر، برزخ، قیامت، محشر اور جنت و جہنم کا بیان]

مرنے کے بعد برزخ و بدن انسان جن مراحل سے گزرتا ہے، اس کتاب میں قرآن و سنت کی روشنی میں ان کی مکمل و مرتب تفصیلات پیش کی گئی ہیں اور اسلامی عقائد میں ایمان بالآخرت کی ضرورت و اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔ اس کتاب کا مطالعہ ایک انسان میں اپنی اور دوسروں کی آخرت بہتر بنانے کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔

(۹): انسان اور قسمت..... [تقدیر پر ایمان اور اس سے متعلقہ مسائل و احکام کا بیان]

مسئلہ تقدیر کیا ہے؟ تقدیر پر ایمان لانے کا مطلب کیا ہے؟ کیا انسان اپنی تقدیر خود بناتا ہے؟ کیا انسان اپنی تقدیر بدل سکتا ہے؟ کیا انسان اپنی تقدیر کے بارے میں پیشگی معلومات حاصل کر سکتا ہے؟ تقدیر پر ایمان کے بعد عملی جدوجہد کی ضرورت کیوں باقی رہتی ہے؟ اس کتاب میں ان تمام سوالات کا قرآن و سنت اور عقلی دلائل کی روشنی میں ایک تجزیاتی مطالعہ پیش کیا گیا ہے اور ایمان بالقدیر کی ضرورت و اہمیت پر صحیح اسلامی نقطہ نظر واضح کیا گیا ہے۔

(۱۰): انسان اور کفر..... [نواقض ایمان اور ضوابط تکفیر کا بیان]

اس کتاب میں یہ بتایا گیا ہے کہ وہ کون سی صورتیں ہیں جن سے ایک بندہ مومن کا ایمان ضائع ہو جاتا ہے۔ نیز کسی پر کفر کا فتویٰ لگانے سے پہلے وہ کون سے آداب و ضوابط ہیں جن کا لحاظ رکھنا از بس ضروری ہے۔

[2]..... سلسلہ اصلاح خاندان

(۱): ہدیۃ العروس..... [ازدواجی و خانگی احکام و مسائل کا بیان]

نکاح کی ضرورت و اہمیت۔ ترک نکاح کے نقصانات۔ شادی بیاہ کا اسلامی طریقہ اور غیر اسلامی رسومات کی تفصیلی تردید۔ حقوق زوجین۔ خوشگوار ازدواجی زندگی کے رہنما اصول۔ آداب مباشرت، خلع و طلاق اور لعان، ایلاء اور ظہار وغیرہ کے مسائل۔ نکاح منہ، حلالہ اور شغار وغیرہ کے شرعی مسائل، تعدد و ازواج اور پاکستانی معاشرے کے مسائل۔ میاں بیوی کے مخصوص مسائل۔ ساس، بہو کا جھگڑا اور اس کا منصفانہ حل اور ایسے ہی بیسیوں ازدواجی و خانگی احکام و مسائل پر مشتمل ایک جامع، مستند اور مقبول عام کتاب۔ اس کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں، الحمد للہ!

(۲): ہدیۃ الوالدین..... [اولاد اور والدین کے باہمی مسائل و احکام کا بیان]

اولاد اور والدین کے باہمی حقوق و فرائض۔ اولاد کی دینی و اخلاقی تربیت۔ والدین کی خدمت اور ان سے اختلاف رائے کے آداب۔ اولاد اور والدین کے باہمی مسائل و تنازعات [جھگڑے] کے اسباب و وجوہات اور ان کے سد باب کی تدابیر کا بیان، قرآن و حدیث اور واقعاتی حقائق کی روشنی میں۔ اپنے موضوع پر پہلی لا جواب اور مستند کتاب!

(۳): ہدیۃ النساء..... [خواتین کی دینی و اخلاقی تربیت اور احکام نسواں کا بیان]

عبادات سے لے کر معاملات تک خواتین کے جملہ دینی و شرعی احکام، ان کے حقوق و فرائض اور ان کی دینی و اخلاقی تربیت پر ایک جامع اور مستند کتاب۔ صحیح احادیث اور ممتاز علماء کے فتاویٰ سے مزین۔

[3] دیگر تصنیفات

(۱): انسان اور نیکی

اس کتاب میں یہ بتایا گیا ہے کہ نیکی کیا ہے؟ نیکی کا حصول اور نیک بننے کا طریقہ کار کیا ہے؟ نیک اعمال کی قبولیت کی صورت کیا ہے؟ گناہ میں لذت زیادہ ہے یا نیکی میں؟ دنیا اور آخرت میں کام آنے والی نیکیاں کون سی ہیں؟ گناہوں کو دھو ڈالنے والی نیکیاں کون سی ہیں؟ نیکی کرنے کا دنیا میں کیا انعام ملتا ہے؟

(۲): انسان اور گناہ

اس کتاب میں یہ بتایا گیا ہے کہ گناہ کیا ہے؟ انسان گناہ کیوں کرتا ہے؟ گناہوں کے جسمانی، طبعی، اخلاقی، روحانی اور اخروی نقصانات کیا ہیں؟ دنیا میں گناہوں کی سزا کیسے ملتی ہے؟ اور گناہ چھوڑنے سے انعامات کیسے ملتے ہیں؟ اسکے علاوہ مہلک گناہوں کی تفصیل، توبہ کا طریقہ، توبہ کے موانع اور دیگر متعلقہ تفصیلات بھی اس میں یکجا کر دی گئی ہیں!

(۳): جدید فقہی مسائل

اس کتاب میں اکیسویں صدی میں پیش آنے والے جدید فقہی مسائل پر قرآن و سنت کی روشنی میں بحث کی گئی ہے مثلاً: شیئرز، حصص، اکے کاروبار کی شرعی حیثیت، کلوننگ، ٹیسٹ ٹیوب بے بی، ڈبل سٹوری قبرستان، انتقال خون، پوسٹ مارٹم، اعضاء کی بیوند کاری، ملٹی لیول مارکیٹنگ سکیمیں اور ان کا کاروبار، زکاۃ کے جدید مسائل، وغیرہ وغیرہ

(۴): قیامت کی نشانیاں

(۵): پیش گوئیوں کی حقیقت

(۶): اسلام میں تصور جہاد

(۷): جہاد اور دہشت گردی

(۸): جہیز کی تباہ کاریاں

(۹): خوشگوار گھر یلو زندگی

(۱۰): موسیقی حرام نہیں؟ [تصنیف: علامہ البانیؒ - ترجمہ: جمیل اختر - اضافہ: بہر حسین]

(۱۱): جادو، جنات اور نظر بد کاتوڑ [افادات: ابن تیمیہ، ابن قیم، ابن کثیر] ترجمہ: جمیل اختر

صاحبِ تصنیف ایک نظر میں

مبشر حسین

نام:

21-01-1978 [لاہور]

تاریخ پیدائش:

[دیوبندی، بریلوی اور اہلحدیث تینوں مکتب فکر کے علماء و مدارس سے استفادہ]

دینی تعلیم:

حفظ القرآن

1989-90

تجوید و قرأت، ترجمہ قرآن، عربی گرامر

1991-92

درس نظامی + وفاق المدارس [الشہادۃ العالمیۃ ممتاز درجہ میں

1992-99

عصری تعلیم:

میٹرک [فرسٹ ڈویژن]

1996

ایف۔ اے [فرسٹ ڈویژن]

1999

بی۔ اے [اے گریڈ، پنجاب یونیورسٹی]

2001

ایم۔ اے [اسلامیات، اے گریڈ۔ پنجاب یونیورسٹی]

2004

پی ایچ ڈی [زیر تکمیل]

2004

تدریسی و تحقیقی ذمہ داریاں:

مدرس، جامعۃ الدعوة الاسلامیۃ مریدکے، لاہور

1999-2000

مدرس، جامعۃ الدراسات الاسلامیۃ، کراچی

2000

ریسرچ سکالر، اسلامک ریسرچ کونسل، نائب مدیر ماہنامہ 'محدث' لاہور

2001-2004

لیکچرر، پریسٹن یونیورسٹی، لاہور کمپس

2004-2005

ریسرچ ایسوسی ایٹ لیکچرر (IRI)، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

2006-تاحال

تصنیف و تالیف:

1- تقریباً 50 تحقیقی مضامین [فکر و نظر، دعوت، محدث، ترجمان القرآن، ایشیا وغیرہ میں] شائع ہو چکے ہیں

2- 20 سے زائد کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔

3- نیز مختلف کتابوں کے تراجم و حواشی، تخریج و تحقیق وغیرہ۔

4- مختلف دینی رسائل و جرائد سے قلمی تعاون، علمی و ادارتی مشاورت۔ واللہ الحمد!

سلسلہ اصلاح عقائد

عقائد و ایمانیات کے جملہ مباحث پہلی بار

ایک نئے اور عام فہم اسلوب میں

① اللہ اور انسان [عقیدہ توحید کا بیان]

② انسان اور رہبر انسانیت ﷺ [عقیدہ رسالت اور اتباع سنت کا بیان]

③ انسان اور قرآن [قرآن مجید کے ساتھ ایمان و عمل کے تعلق کی مضبوطی کا بیان]

④ انسان اور فرشتے [فرشتوں پر ایمان اور انسانوں کے ساتھ ان کے عجیب و غریب تعلقات کا بیان]

⑤ انسان اور شیطان [شیطان کی حقیقت اور اس کے مکر و فریب سے بچاؤ کی تدابیر کا بیان]

⑥ انسان اور جادو، جنات [جادو، جنات کا توڑ اور مسنون روحانی علاج معالجہ کا بیان]

⑦ انسان اور کالے پیلے علوم [عقائد کی خرابی کا ذریعہ بننے والے علوم کا بیان]

⑧ انسان اور آخرت [موت کے بعد پیش آنے والے جملہ اخروی مراحل کا بیان]

⑨ انسان اور قسمت [قسمت و تقدیر اور محنت و کوشش کا بیان]

⑩ انسان اور کفر [نواقض ایمان اور ضوابط تکفیر کا بیان]

خصوصیات: عام فہم اور دلچسپ اسلوب، قرآن و سنت سے استدلال، فکر سلف کی ترجمانی، صحت دلائل اور صحت استدلال، گمراہانہ افکار و عقائد کا رد، شستہ انداز اور معتدل فکر، تعصب اور طنز و تشنیع سے پاک، مستند حوالہ جات کا اہتمام اور ناقابل حجت روایات سے اجتناب

خوبصورت اور معیاری طباعت، قیمت انتہائی مناسب

یہ کتابیں: دعوتی نقطہ نظر سے بے حد مفید اور اردو زبان پڑھنے اور سمجھنے والوں کے لیے انتہائی قابل فہم ہیں۔ مطالعہ کیجیے، دوسروں تک پہنچائیے اور صدقہ جاریہ کا ذریعہ بنائیے!

A 52

پاکستان میں کتاب و سنت کی اشاعت کا قدیم ادارہ

ڈسٹری بیوٹر

حق شریف اردو بازار لاہور

فون: 042-7321865

موبائل: 0334-4229127

نعمانی کتب خانہ



Web: nomanji.com | WhatsApp: 0334-4229127

